

کلیاتِ اقبال اُردو

اقبال

کلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال (اُردو) خصوصی ایڈیشن

جُملہ حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں۔

پروفیسر شہرست بخاری

ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۱۹۹۰ء مطابق ۱۱۔۱۲۔۱۳۱۰ھ

۳۵۰۰

۲۶۰ روپے

استقلال پریس، لاہور

ناشر

سالِ اشاعت

تعداد

قیمت

مطبع

۲
کلیاتِ اقبال
ب

ISBN 969-416-000-6

بہ اہتمام

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

الفقه المصنف

۳
کلیات اقبال
ج

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ ابلینہ زنگ تیرے محیط میں حباب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب !
شکستِ سحر و سیم ؛ تیرے جلال کی مسود !
فقرِ جنید و بایزید ؛ تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری ناز کا امام
میرا نیم بھی حجاب میرا سجد بھی حجاب !
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیبِ جستجو عشقِ حضورِ افلاک !

۲
مہرِ امانت

مجلس تدوین و طباعت :

سرپرست : ڈاکٹر جاوید اقبال

نگران تدوین : پروفیسر محمد منور نگران اشاعت : پروفیسر شہرت بخاری

مجلس مشاورت :

رشید حسن خان، ڈاکٹر حبیب قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد لریا

مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صابر کلروی، ڈاکٹر تحسین فراقی

محمد الہام چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر حبیب عشرت

مجلس منتظمہ :

مدیر تدوین : محمد سہیل عمر مدیر منتظم : ڈاکٹر حبیب عشرت

تصنیع متن و نظر ثانی : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی شان الحق حق، احمد جاوید

تصنیع کتابت : انور جاوید

خطاطی : جمیل احمد قریشی تنویر قسم

ترئین و آرائش : ذوالفقار احمد

زیرِ اہتمام : اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض

مقامات خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و

روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بیسی خیر ازاں مردِ فردوست

کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

اقبالؔ

غزاجِ عقیّدت

کلیاتِ اقبال

ز

”شعرا تو ام میں باز پیداکرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیر، باریک غیب نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظمؒ

”اقبال کے لئے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہت اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہیوں کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 مل چکا ہے۔ میں نے ان سے یادہ و نداد
 رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظم

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکسن)

”ہندوستان میں حرکت تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سرسند اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سرطاس آرٹڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صہابی تھے
اور اُن کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبال
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”درودِ معنی نگہاں حضرت اقبالؒ
پنیرِ تیرے کرو و پیر نتواں گفت“

(مولانا غلام قادر کرامیؒ)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

”محمد اقبالؒ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؒ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؒ رسید
بیدلاں را نوبت حالے رسید
قرن حاضر حاصتہ اقبالؒ کشت
واحدے لڑ صد ہزاراں برگزشت
این سلا می فرستم سوتے یار
بے ریاترا از نسیم نو بہار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؒ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے امت مسلمہ کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ لی جائے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد مستند اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نیکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“

(ڈاکٹر طحطا حسین، برصہ)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے مفکر شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبدالقادر کراخان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور ان سے کام لے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی حرکی روح کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست مفکر اسلامی، مجددِ ملت اور اسلامی اُمتِ کلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا لکھاؤ مدتِ مدید میں بھی مُستدل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(راہندر ناتھ ٹیلور، بھارت)

”اگر جلال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُٹھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جلال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزّام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر جس کا نام لڑشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مترتبہ ٹیلور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے اس لیے کہ ٹیلور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر نوبل پرائز نہ حاصل کر لائے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، سنہ ۱۹۲۰ء)

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

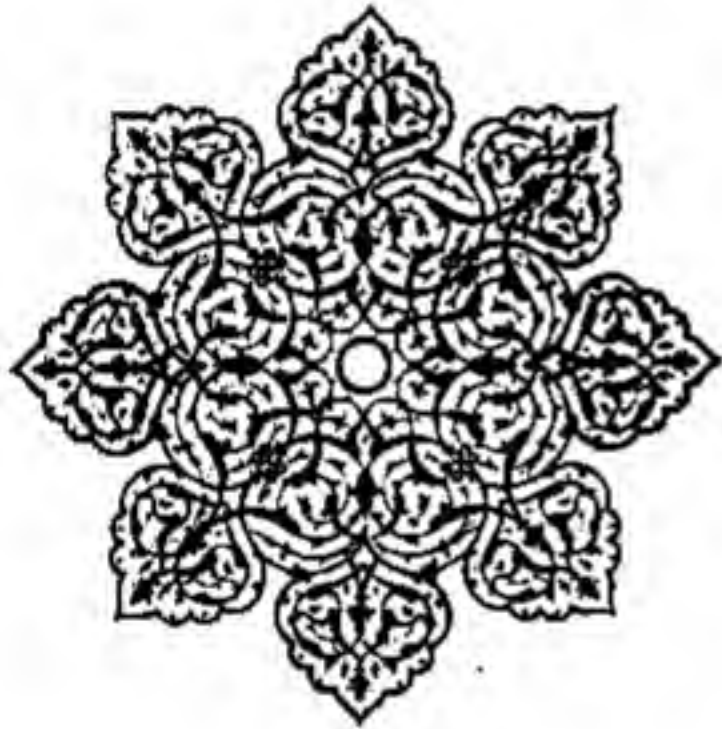
بالِ حبِ بریل

۵۰۱

ضربِ کلیم

۶۹۳

از معنای حجاز (اُرُو)



۱۶
کلیات اقبال
ع

بانگِ درا

اقبال

۱۶	۱۶
۱۷	۱۷
۱۸	۱۸
۱۹	۱۹
۲۰	۲۰
۲۱	۲۱
۲۲	۲۲
۲۳	۲۳
۲۴	۲۴
۲۵	۲۵
۲۶	۲۶
۲۷	۲۷
۲۸	۲۸
۲۹	۲۹
۳۰	۳۰
۳۱	۳۱
۳۲	۳۲
۳۳	۳۳
۳۴	۳۴
۳۵	۳۵
۳۶	۳۶
۳۷	۳۷
۳۸	۳۸
۳۹	۳۹
۴۰	۴۰
۴۱	۴۱
۴۲	۴۲
۴۳	۴۳
۴۴	۴۴
۴۵	۴۵
۴۶	۴۶
۴۷	۴۷
۴۸	۴۸
۴۹	۴۹
۵۰	۵۰
۵۱	۵۱
۵۲	۵۲
۵۳	۵۳
۵۴	۵۴
۵۵	۵۵
۵۶	۵۶
۵۷	۵۷
۵۸	۵۸
۵۹	۵۹
۶۰	۶۰
۶۱	۶۱
۶۲	۶۲
۶۳	۶۳
۶۴	۶۴
۶۵	۶۵
۶۶	۶۶
۶۷	۶۷
۶۸	۶۸
۶۹	۶۹
۷۰	۷۰
۷۱	۷۱
۷۲	۷۲
۷۳	۷۳
۷۴	۷۴
۷۵	۷۵
۷۶	۷۶
۷۷	۷۷
۷۸	۷۸
۷۹	۷۹
۸۰	۸۰
۸۱	۸۱
۸۲	۸۲
۸۳	۸۳
۸۴	۸۴
۸۵	۸۵
۸۶	۸۶
۸۷	۸۷
۸۸	۸۸
۸۹	۸۹
۹۰	۹۰
۹۱	۹۱
۹۲	۹۲
۹۳	۹۳
۹۴	۹۴
۹۵	۹۵
۹۶	۹۶
۹۷	۹۷
۹۸	۹۸
۹۹	۹۹
۱۰۰	۱۰۰

۱۸
باقی در

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

۱ ہمالہ

۲ گل زنبیں

۳ عمدہ طفلی

۴ مرزا غالب

۵ ابر کوہسار

۶ ایک مکڑا اور مکھی

۷ ایک پہاڑ اور کلہری

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگانِ خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	افتاب (ترجمہ کاہنری)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	افتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۸۳/۶۷	۲۲ گل پرثمردہ
۸۴/۶۸	۲۳ سید کی لوح تربت
۸۵/۶۹	۲۴ ماہ نو
۸۶/۷۰	۲۵ انسان اور بزم قدرت
۸۸/۷۲	۲۶ پیام صبح
۸۹/۷۳	۲۷ عشق اور موت
۹۱/۷۵	۲۸ زہد اور زندگی
۹۳/۷۷	۲۹ شاعر
۹۳/۷۷	۳۰ دل
۹۴/۷۸	۳۱ موج دریا
۹۵/۷۹	۳۲ رخصت اے بزم جہاں !
۹۷/۸۱	۳۳ طفل شیرخوار
۹۸/۸۲	۳۴ تصویر درد
۱۰۴/۸۸	۳۵ نالہ فراق

۱۰۵/۸۹	۳۶ چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷ بلالؓ
۱۰۸/۹۲	۳۸ سرگزشتِ آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹ ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰ جنگنو
۱۱۲/۹۶	۴۱ صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲ ہندوستانی بچوں کا قومی کیت
۱۱۴/۹۸	۴۳ نیا شوالا
۱۱۵/۹۹	۴۴ داغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵ آبر
۱۱۸/۱۰۲	۴۶ ایک پرندہ اور جنگنو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷ بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸ کنارِ راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹ التجائے مسافر

غزلیات

- ۱ کلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار ویکھ
- ۲ نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
- ۳ عجب واعظ کی دیں داری ہے یار سب!
- ۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے
- ۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
- ۶ انوکھی وضع ہے مسائے زمانے سے نرالے ہیں
- ۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
- ۸ کہوں کیا آرزوئے بے ولی مجھ کو کہاں تک ہے
- ۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
- ۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
- ۱۱ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
- ۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
- ۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۶/۱۱۰

۱۲۷/۱۱۱

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۹/۱۱۳

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۲/۱۱۶

۱۳۳/۱۱۷

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	اخترِ صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی گود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

۲۲
بانگِ درا
۸

۱۲	سلیبی
۱۳	عاشقِ ہر بانی
۱۴	کوششِ نامتام
۱۵	نوائے غم
۱۶	عشرتِ امروز
۱۷	انسان
۱۸	جلوۂ حسن
۱۹	ایک شام
۲۰	تنہائی
۲۱	پیامِ عشق
۲۲	فراق
۲۳	عبدالغفار کے نام
۲۴	صقلیت

۱۴۷/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۴

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سلھا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے کا جب مے دل سے محشر اٹھے کا لغتو کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۲/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزم جہاں دلکش تھے ہنگامے تے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوف جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہو کا ۱۶۶/۱۵۰

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے.....)

- ۱ بلا و اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

۱۷۴/۱۵۸	۴	گورستان شاہی
۱۸۰/۱۶۴	۵	نمود صبح
۱۸۱/۱۶۵	۶	تضمین بر شعر انیسویں
۱۸۲/۱۶۶	۷	فلسفہ عنم
۱۸۵/۱۶۹	۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر
۱۸۶/۱۷۰	۹	ترانہ بقی
۱۸۷/۱۷۱	۱۰	وطنیت
۱۸۸/۱۷۲	۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں
۱۸۹/۱۷۳	۱۲	قطعہ (کل ایک شریہ خواب گاہ نبی پر روکے کہہ رہا تھا)
۱۹۰/۱۷۴	۱۳	شکوہ
۱۹۹/۱۸۳	۱۴	چسانہ
۲۰۰/۱۸۴	۱۵	رات اور شاعر
۲۰۱/۱۸۵	۱۶	بزم انجم
۲۰۳/۱۸۷	۱۷	سیر فلک

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موٹر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۶/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	غزۃ شوال یا ہلال عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۶	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساتی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۳۹/۲۲۳	۳۲	شاعر
۲۴۰/۲۲۴	۳۳	نویہ صبح
۲۴۱/۲۲۵	۳۴	وعدا
۲۴۲/۲۲۶	۳۵	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں
۲۴۳/۲۲۷	۳۶	فاطمہ بنت عبد اللہ
۲۴۴/۲۲۸	۳۷	شبہم اور ستارے
۲۴۵/۲۲۹	۳۸	محاصرہ اور نہ
۲۴۶/۲۳۰	۳۹	غلام فتادریہ
۲۴۷/۲۳۱	۴۰	ایک مکالمہ
۲۴۸/۲۳۲	۴۱	میں اور تو
۲۴۹/۲۳۳	۴۲	تضمین بر شعر ابوطالب کلیم
۲۵۰/۲۳۴	۴۳	شبلی و حسانی
۲۵۱/۲۳۵	۴۴	ارتقا
۲۵۲/۲۳۶	۴۵	صدقہ

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	کفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	مسلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنابِ یرموک کا ایک واقعہ

۲۷۷/۲۹۱	۶۰ مذہب
۲۷۷/۲۹۱	۶۱ پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۹۲	۶۲ شب معراج
۲۷۸/۲۹۲	۶۳ پُھول
۲۷۹/۲۹۳	۶۴ شکیستہ
۲۸۰/۲۹۴	۶۵ میں اور تو
۲۸۱/۲۹۵	۶۶ اسیری
۲۸۱/۲۹۵	۶۷ در یوزہ حنلافت
۲۸۲/۲۹۶	۶۸ ہمایوں
۲۸۳/۲۹۷	۶۹ خضرِ راہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰ طلوعِ اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱ اے بادِ صبا! کسلی والے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---

- ۲ یہ سرود قمری و بسمل فریب گوش ہے ۳۱۲/۲۹۲
- ۳ نالہ ہے بسمل شوریدہ ترا حنّام ابھی ۳۱۲/۲۹۲
- ۴ پروہ چہرے سے اٹھا، انجسن آرائی کر ۳۱۱/۲۹۵
- ۵ پھر باد و بسار آئی، اقبال غزل خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آلباس مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہ دام بھی غزل آشنایہ طائران چس تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانی اسباب ہے ۳۱۲/۲۹۸

ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیم سنسکرتی ہے بہت جرات آفریں ۳۱۶/۳۰۰

۳۲
بانگ درا
۱۶

- ۶ کچھ قسم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳.۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ ۳۱۶/۳.۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۷/۳.۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اشکا ہے ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۳۱۷/۳.۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذنیب نکل گیا ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خود کوشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۳ ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳.۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳.۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳.۰۴
- ۱۹ گائے اک روز ہوتی اونٹ سے یوں کرم سخن ۳۲۰/۳.۰۴

۳۲۱/۳.۵	۲۰	راست پتھر نے کہہ دیا مجھ سے
۳۲۲/۳.۶	۲۱	یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر
۳۲۲/۳.۶	۲۲	جان جائے ہاتھ سے جلتے نہ ست
۳۲۲/۳.۶	۲۳	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
۳۲۲/۳.۶	۲۴	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رنبر لم یزل
۳۲۳/۳.۷	۲۵	تکھار تھی مزارع و مالک میں ایک روز
۳۲۳/۳.۷	۲۶	اٹھ کر پھینک دو باہر گلی میں
۳۲۴/۳.۸	۲۷	کارخانے کا ہے مالک مرد کب ناکردہ کار
۳۲۴/۳.۸	۲۸	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
۳۲۴/۳.۸	۲۹	مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے



دیاچہ

شیخ عبد العتاد بریسٹریٹ لائبریری "مخزن"

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور زلال انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور جب بورلیا لہو پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسنے زہرِ شاعری کے چمن کی آبیاری کرنے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال سند بیٹا سند وستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمِ لیٹریٹر پیداکر لی ہے تو اس نے بھی ازراہِ قدرتِ درانی سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یطیفِ حنداد ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلص کا تخلص، ان کی ڈاکٹری اور سسری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کونزمنٹ سے خطابِ شمسِ اعلا بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کرتے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب اساتذہ طبعیت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے کی۔ سونے پر سہاگہ لکھو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درپوش تھا کہ ہر شہر میں زبان دان اور شعر و شاعری کا چرچا لمبے و بیکس موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مرزا خاں صاحب دماغ و دلوں کا بہت شہرہ تھا اور نطنم و کن کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے خط و کتابت کے ذریعے دوری سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ نطنم نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ ملتے رکھتے تھے اور انہیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان و ادبی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دماغ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انہوں نے جسد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ ملتہ کا بہت دیر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و ذنوں طرف رہ گئی۔ آغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا
 ہے کہ اقبال کے دل میں آغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے
 آغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ آغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود
 دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹاس آرنلڈ ہوتے ہیں اور
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ فوٹو تحریر ان کی بہت اچھی
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچخت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں
 یہاں ایک اور جہت قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شش شاگرد کو
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شش گرو علمی دنیا میں سیر
 لیے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں داغ کے خائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری
مرحلے آرتھ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعی کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء
سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمریج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی
قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکر کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے
اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرار خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی
لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی ذہن
میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، الہیہ مرحوم،
سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال
کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے
نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال
نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آٹھ دس
کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور
کے ایک مشاعرے میں ملایا۔ اس بنم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت بھیج کر لے
آئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ
اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی غزل تھی۔ سادہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔
مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد
دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

جو نہاد شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں ہفت ہفتی۔ شیخ
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی
 چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر
 شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب اردو
 کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی
 اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انھیں یہ خیال تھا
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۵ء
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پہلا طور پر آغاز ہوا اور
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

مخزن کے ہر ممبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام
 سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر
 ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زوروں پر تھی، شعر
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ بہتا معلوم
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عسماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُرلی
 آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اُسی ترتیب سے
 حلقے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، طریقہ رنگ بسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہال کی ایک اور خصوصیت
 یہ ہے کہ بائیں ہر موزوں فی طبع وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ طریقہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمانشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فکروہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ طر بعض دستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے باصرار کہا کہ وہ نظم ترنم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترنم سے بھی جلسہ واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھایا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے بنوتے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا شکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے اس شش کے سبب عام بھی لکھنے آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُنس زمانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم لھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ملک کے نصیب ملک کے امراض کا
 علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ
 آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آیا تھا اس
 کا تو یوں حساتمہ ہوا مگر وہ سراسر تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنایا۔
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں لئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو
 کتب بینی کی اس کو بھی ضرور اس تغیر شوق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں
 ان کا مطالعہ حکیم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور فنی خیالات کے اظہار کو جی چاہا
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سہارا یہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور
 شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ
 شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی
 کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کوبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی
 طرف ہوا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۵ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی
 ہضم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مشنوی اسرار خودی
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قسطا سن پڑ
 اُترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،
 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو کول اقبال
 کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہونے ہوں گے مگر انہیں
 یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا
 میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس
 میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ
 اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تصنف کا حال معلوم ہوا۔ پیغام شرق میں
 ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب
 کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی
 سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقدے حل ہوئے ہیں جو پہلے
 آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں
 ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص
 خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور
 جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔
 فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں
 دور سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے
 سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ اشہب تسلیم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے
 ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۱۷ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ
 خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع
 کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر
 ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظمیں کا
 مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر تقسیم ہے۔
 حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی
 اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعوے سے کہا جا
 سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات
 کی فینروانی ہو اور اس قدر مطالب معانی کیجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے
 چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے بعض
 نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون
 لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی
 تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر
 ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبان ذوق کو مبارک باد دیتا
 ہوں کہ اُردو کلیات اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلدستوں کے اوراق پریشاں
 سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت
 سے اس کلام کو بیجا دیکھنے کے شائق تھے، وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے
 دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

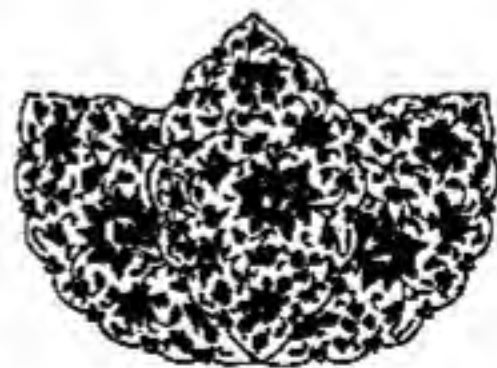
آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ جتنہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں
نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا
صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے
نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے
سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جسوۃ اُردو کو جو اس
قدردیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خمیہ سمجھیں۔



الف

قدت المحبہ ستم ہے۔

انہ کو راز جو بنایا۔ راز اگر کائنات سے چھپایا
یہ تاوقت آگیا۔ کھنڈن سر محمدؐ کی کا
جنت اعز و انتہا ہے
آئینہ گوگل لکھتا ہے

جس کسم خرام بیج دریا۔ دیباگوئے مکر حادہ ہما
بلادل کو ہوا روار میں۔ شانوں سلجھا لداں
نار مشعل شرب قہر۔ زندان ملک ملک ماہر
خوشنود عابد بحر۔ لکھنؤ اللہ بام برزخ
نزدیک یاروں کی جنت۔ پندگش عشق ہار
لکھنؤ و قہر پندگش۔ سرشت کے لکھنؤ
کتابچہ پر روزگار
کتابچہ پر روزگار

۲۸

بانگ درا

۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۲۹

بانگ درا

۳۳

بار بعل هم که زنده ماند - و عقب کوگر مار جور و کثر باد
 چرخ وادی نارنگ برادر کجاک - چرخ و تاخت و چرخ و تاخت
 حرم تاخت کوگر و دیار پنا - و یکبار و یکبار و یکبار و یکبار
 یکبار و یکبار و یکبار و یکبار - یکبار و یکبار و یکبار و یکبار
 بر دره غلغله بر غلب پنا - و دروغ و غلب و غلب و غلب
 برادر و دروغ و غلب و غلب - بر غلب و غلب و غلب و غلب
~~تخت و تخت و تخت و تخت - بر تخت و تخت و تخت و تخت~~
 بر تخت و تخت و تخت و تخت - تخت و تخت و تخت و تخت
 رخت و رخت و رخت و رخت - رخت و رخت و رخت و رخت
 تخت و تخت و تخت و تخت - تخت و تخت و تخت و تخت
 تخت و تخت و تخت و تخت - تخت و تخت و تخت و تخت
~~تخت و تخت و تخت و تخت - تخت و تخت و تخت و تخت~~
 تخت و تخت و تخت و تخت - تخت و تخت و تخت و تخت

۵۰
 بانگ درا
 ۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر اسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینا دوزخ کی مثال تو جوں ہے کہ ریشم و سحر کے دریاں

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سر اچشم بینا کے لیے

اتحانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستا ہے تو پاساں اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو
مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو سونے خلوت کا وہ دل و ہر شہرِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہٴ ن ہے جو کلاہِ سرِ عالم تاب پر

تیری عمر فرست کی اک آن ہے عہدِ سن
واویوں میں ہیں تیری کالی لٹائیں خمیں سن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرم سخن
تو نہیں پراور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں ہوا رہو اے واسطے
تازیانہ دے دیا برقی سر کھسار نے
اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی ہے
دستِ قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فطرطرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبش موج نسیم سج کھوارہ بنی
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں بان برل سے گویا ہے اس کی خاشی
دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے نئے ہی من راز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و نسیم کی موجوں کو شہر تاتی ہوئی

آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سب سے گاہِ پستی گاہِ مکر تاتی ہوئی

پھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے سار کو
اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یہی شب کھولتی ہے آگے جب بُلفِ سا وہیں دل کھینچتی ہے آتشِ ازل کی صدا
وہ خموشیِ شام کی بس پر تکلم ہو نہ وہ درختوں پر کندہ کاسماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسا پر
خوشنما لگتا ہے عینِ زہ تے رخسار پر

اے ہمالہ! داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا مسکنِ آہستے انساں جب بنا وہن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا داغ جس پر غارِ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں لکھا ہے اے تصویرِ پھر وہ صبحِ شام تو
دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ شکل نہیں اے گلِ زندیں تے پہلو میں شاید دل نہیں
زیب محفل ہے شہرِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو
اور سیری زندگی بے لہ ازار آرزو

تو لینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں
آہ! یہ دست جھانجولے گل زندیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ سجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں
کام مجھ کو دیدہ حکمت الجھیروں سے کیا
دیدہ بسل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجد منطوب ہے راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستوب ہے
میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طوب ہے میں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے ٹوب ہے
مطمئن ہے تو پریشاں مثل بورتا ہوں میں
زخمی ششیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حجت نہ ہو یہ جگر سوزی چراغِ خانہ حکمت نہ ہو
نا توانی ہی مری سراپا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو
یہ تماشائیں متصل شمع جہاں فروز ہے
توسن اور اک انس کو خرام آمو ہے

عہد طفلی

تھے دیارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے حرفِ بے مطلبِ تھی خود میری جاں میرے لیے
ورڈ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے

شورشِ نجیرِ در میں لطفِ آتا تھا مجھے

تکے رہنا ہائے اوہ پہر میں تک سوئے قمر وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پاس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ آئینِ زیر

آنکھ وقفِ دید تھی لبِ مائلِ گفتار تھا

دل نہ تھا میرا سراسرِ پاؤں وقِ ہفتار تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا جو پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سراپا روحِ ثورِ بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زنجیرِ بے پناہِ بے پناہ بھی ہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فروغ و خیر نیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و آ

زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یانی جے بخش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہین تیرے لب عجب زار محو حیرت ہے ثریا فست پر زار

شاہد مضمون تصدیق ہے تیرے انداز پر خندہ زن ہے غنچہ پتہ دلی گل شیراز پر

آہ! تو اُٹھری ہوئی دلی میں آہیہ ہے

گلشن و میر میں یہ لہجہ نواہیہ ہے

لطف کو یانی میں یہ ہر مہر مکن نہیں چوختیل کا نہ جت مک فکر کا مل ہم شیں

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر میں آہ! لے لے اٹھ رہا موز نگاہ مست رہیں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مہ فون ہے

گیسویں اردو ابھی منت پذیر نہ ہے

شمع یہ سودا کی دسوزی پروا نہ ہے

اے جہان آباد! گے گوارہ عسلم ہنر ہیں سراپا مالہ خاموش تیرے بام در

فترے فترے میں ترخے اہل شمس و قمر یوں پوشیدہ ہیں سرخی خال میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر زکار ایسا بھی ہے؟

تجھ میں پس کون سی موتی آب ایسا بھی ہے؟

ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلک بوس شمعیں ابر کو ہسار ہوں گل پاش ہے امن میرا

کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکون میرا شہر ویرانہ مرا بحر مرا بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کوہ ہے منجے نسل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے افسان ہونا ناقہ شاہدِ حست کا حُدی خوان ہونا

عنم دوائے دل افسردہ بہت ہونا رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے کیسوخ ہستی پہ بھرجاتا ہوں

شانہ موجبہ صہر سے سنو جاتا ہوں

دور سے یقین آہد کو ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جس دم لب بخواتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا ب کی پہناتا ہوں

سبزہ مزع نوخیز کی آہٹوں میں

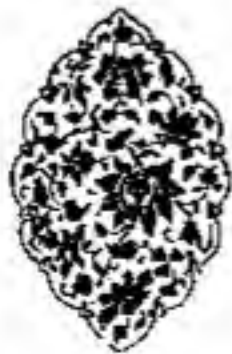
زاق بھڑن پڑوے خورشیدوں میں

چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس محو ترنم میں نے

سر پہ پنے کے کھٹے ہو کے کہا تم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے سیکے نمونے ہر شبستانوں کے

جھوپٹے اہن گہسار میں ہمت انوں کے



ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
لیکن مری کشیا کی نہ جالی کبھی قسمت
غیروں سے نہ ملے تو کوئی بات نہیں ہے
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
اس نے اس سے ہوتا ہے کز روز تھارا
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھینچ کے نہ رہنا
وہ سامنے سیر بھی ہے جو منظور ہو آنا
حضرت! کسی نادان کو دیکھ گایہ صو کا

اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے

جو آپ کی سیر بھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
منظور تمھاری مجھے خاطر تھی ورنہ
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہرو جو مکے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کُئی شیا
 لٹکے ہوئے دروازوں پر بار بار ایک پس پردہ
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاصہ ہیں بچھوئے
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بچھوئوں سے خدا مجھ کو بچائے

سو جائے کوئی ان پر تو پھر اٹھ نہیں سکتا

کڑے نے کہا دل میں سنی بات جو اُس کی
 پھانسیوں کے کس طرح یہ کم بخت سے ہر دانا
 سو کا غم شام سے نکلتے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکھی کے کہا اُس نے بڑی بیبا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبہ
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوٹ سے محبت
 جو جس نے بھی ایسا نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ ہرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے کلنی سے سجایا
 خیرن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں میں
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا لہی رنے اب ہاتھ جو آئی

آرام سے لکھڑی کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گلہری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

ذرا سی چیز ہے اس غرور کیا کہنا یہ عقل اور یہ سمجھ یہ شعور کیا کہنا

خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں

ترمی بساط ہے کیا سیری شان کے لے لے زمیں ہے پست مری آن بان کے لے لے

جو بات مجھ میں سمجھ کو وہ ہے نصیب کہا

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہا

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال دیا یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انھیں نکال دیا

جو مین بڑی نہتیں سیری طرح تو کیا پڑا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدائی قدر سے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اُس کی حکمت سے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں فراتجھ میں
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
چھپا لیا ہی ذرا تو ڈر لکھ مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاخانے میں

ایک کائے اور بلبری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اَل چہرہ الہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اُس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت

۶۲
باقی ہے در
۲۶

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا
 پہلے جھک کر اسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بڑی بھلی اپنی
 جان پر آبنی ہے کیا کہیے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہستکٹندوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا میں آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پاس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سیتے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُری ہے کیا کہیے
 رو رہی ہوں بُروں کی جان میں
 پیش آیا بلکا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ کھاتا ہے
 رکن منبر یوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرہ اسارا
 بات سچتی ہے بے مزا لگتی
 یہ چہرہ الہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اسی خوشیاں ہمیں نصیب
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوطرچ کا بنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سمجھو
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا گد نہیں اچھپ
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری گھاس اور یہ سایا
 یہ کہیں بے زبان غریب
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو بھلی کہ از آدمی
 واں کی گزران سے بچائے خدا
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا
 آدمی کا کبھی گد نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تن سیری
زندگی شمع کی صورت ہو نہ ایا سیری
دُور دنیا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
ہو مرا کام عنریبوں کی حسبت کرنا
درد مندوں کے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچنا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلنا مجھ کو

ہمدردی
(مانخو از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

ٹھنی پہ کسی شخص کی تنہا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
پہنچوں کس طرح اشیان تک
سُن کر ٹبل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
ٹبل تھا کوئی اُداس بیٹھا
اڑنے چکنے میں دن گزارا
ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
کیسٹرا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
میں راہ میں روشنی کروں گا
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں بسا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ حسد پاکے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں نہ جلتا نہ تھا
کہا میں نے نہ چپان کر میری جاں!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
تو دیکھ قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے کئے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
 جو بچے نے دیکھا مرا بیچ و تاب دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب
 رلاتی ہے تجھ کو جُدا تی مری نہیں اس میں کچھ بھی جُدا تی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا دیا پھر دکھ کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پرنس کی فریاد
 بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو گزرا سوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 ازادیاں کہاں وہ اب اپنے کھونسے کی اپنی خوشی سے انا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹِ دل پُر اتنا ہے یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرانا
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کمانی سی موت اباد جس کے دم سے تھا میرا اشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہائی لے کاش میرے بس میں!

کیا نہ نصیب چوں میں لکھ کر ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں چڑا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی ہنس رہی ہیں میں اس اندھیرے لکھ میں قسمت کو رہا ہوں

اس قید کا الہی ڈکھڑا کے سُناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو لکھا رہا ہے غم دل کو لکھا رہا ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سُنے والے دُکھے ہوئے دلوں کی فنیادیہ صد ہے

ازاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان چوں قید میں تو چھوڑ کر دے

خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ رُوشم شانہ ہستی سے بکھرا ہوا کیسوتے شام
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسمان جاؤ بلبِ کُفتار پر ساحرِ شب کی نظر ہے دیدِ بیدار پر
 غوطہ زن دریائے حنا موٹی میں موج ہوا ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آوازِ درا

دل کہ ہے تابی الفت میں دنیائے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے نور

منظرِ حرام کی تماشائی ہوں میں

نیم شین جفتگان کینج تنہائی ہوں میں

تھم درابے تابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو کرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خانہ امر و نہر ہے کوئی؟
اور پیکارِ عینِ صبر کا تماشہ ہے کوئی؟

اومی اں بھی حصہ غم میں ہے محسوس کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جہل مرتا ہے سوزِ شمع پر پرانہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ غمِ بے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پس منہ سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لہری سے کیا اں بھی پھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گستاں میں بھی کیا ایسے نیکیاں خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سوا افتاد ہے
روح کیا اُس دس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہو جہاں بھی ہے خرم بھی ہے؟
قلندارے بھی ہیں اندیشہ ریزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آشیایاں کے واسطے؟
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کمال کے واسطے؟

واں بھی انسان اپنی اصلیت سے بیکار ہے کیا؟
امیازِ ملت و آئین کے دیوانے ہیں کیا؟

بانگِ درا
۵۴

واں بھی کیا منیر یا منیل چرچن تانہیں؟

اس جہاں کی طرح اس بھی بڑا دل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک نسلِ ازل آرام ہے؟
کیا جہنم معصیتِ نری کی اک ترکیب ہے؟
کیا عوضِ رفا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
دیدے تے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
اے آہِ کشور بھی تار کی سے کیا مہمور ہے؟
یا رنج بے پردہ حسنِ ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں مقصدِ تار ہے؟
موت کہتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟
علمِ انساں اُس لایت میں بھی کیا محدوس ہے؟
”لن ترانی“ کہہ رہے ہیں وہاں کے طوبی؟
واں بھی انساں ہے قفسِ نفوسِ استغما کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبہِ لڑاں میں ہے

موت اک چھتا ہوا کا نسا دلِ انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمعِ پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جدوہ کاہ کا
 آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا ہے؟
 ازار موت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس نفستہ دل کا نخل تنہا ہر آنہ ہو
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 ننھے سے دل میں لذت سوز و لذائذ ہے
 کچھ اس میں جو شرع عاشقِ حُسن قدیم ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشا سے روشنی
 کیڑا ذرا سا اور تماشا سے روشنی

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ دیکھا
 ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہ رہی ہوں
 ہوں مغیبتِ کت پہ پستی کی
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

بوند اک خون کی ہے تُو لیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 راز ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
 علم کی اتنا ہے بے تابی
 شمع تُو محفل صداقت کی
 تُو زمان و مکان سے رشتہ بیا
 غیرت لعل بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لہیا ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حسد اجو حسد انما ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ بیدرہ آشنا ہوں میں

کس بندی پہ ہے ہمتِ امرا
 عرشِ تبیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سر میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 ہاں بونے اے محیطِ آب گنگا تو مجھے
 وصل کیسا یاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے

بدلے یک رنگی کے یا آشنائی ہے غضب ایک چری من گھڑیوں میں جلائی ہے غضب
جس کھپوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں اس پسین میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حوبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانہ خرمین سدا ہے شمعِ مجزبیاں ہونہ خرمین ہی تو اس دانے کی ستی کھپاں
حسن ہو کیا خودِ صاحب کوئی مائل ہی نہ ہو شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو
ذوق کو یا آئی حسدِ شہی سے بے لگا کیوں نہیں میرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب بیاں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے!

پھونکے اُجابِ چرخِ آتشِ سکار نے

آفتاب

(ترجمہ گائتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو شیرازہ بندِ فستہ کونِ مسکاں ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا ہے سبز تیرے دم سے چمنِ بہتِ بود کا

قائم یہ غصروں کا تماشا تجھی سے ہے
 ہر شے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 ہے محفل وجود کا سماں طراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
 ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
 تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
 دل ہے خرد ہے روح رُخاں ہے شعور ہے
 چشم خرد کو اپنی تجبلی سے نور دے
 یزوان ساکنانِ نشیب و فراز تو
 تیری نمود و سدا کو ہمار میں
 زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
 از اذوقِ اقل و آخر ضیاء تری

شمع

بزمِ جہاں میں میں بھیجے شمعِ نور و مند
 دی عشق نے صراحتِ سوز و رُخاں تجھے
 فریادِ گرہِ صفتِ دانہ سپند
 اور گلِ فروشِ اشکِ شفق کوں کیا مجھے
 ہوشِ بزمِ عیش کہ شمعِ مزار تو
 ہر حالِ اشکِ غم سے ہی پہنار تو
 یک بین تری نطفہ صفتِ عاشقانِ راز
 میری نگاہِ مایہ آشوبِ امتیاز

کعبے میں سبکے میں کیساں تری ضیا میں استیاز ویر جسم میں پھنپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دوسیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے نور ہے بے در و تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوز و رُوں پر نظر نہیں

میں جوش اضطراب کے سیما بے ار بھی آگاہ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بنے نیا زکا

احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرأ خوابید اس شرم میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیازِ رفعت و پستی اسی سے گل میں مہک شرب میں تھی اسی سے

بستان و بیل و گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکشِ من و تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو حسن و بستانِ عشق آوازِ کن ہوئی تپشِ آموں جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خوابِ بستانِ ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو کی
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
 شامِ سہرا ق صبح تھی میری نو کی
 قیدی ہیں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 غربت کے غم لے کے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسرِ دلِ بے سبب بنی
 شوقِ نطن کہ بھی کبھی فو قِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ حال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثریا نشان میں
 مسجودِ ساکنانِ فلک کا مال دیکھ
 باندھ چاہے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 اہنگِ طبعِ ہنسِ کمونِ مکانِ حوں میں
 گوہرِ کُشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
 تحریر کر دیا سرِ یوانِ ہست بود
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
 بندش اگرچہ ہے مضمونِ طلب ہے
 یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے
 عالمِ ظہورِ جلوتِ ذوقِ شعور ہے
 منزلِ کاشتِ تیاق ہے کم کردہ اہ ہوں
 طوقِ کفوتِ حسنِ تماشا پسند ہے
 اے شمع! میں سیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 صیادِ آبِ صفتِ ترومِ تم بھی آپ
 باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
 میں حسنِ چوں کہ عشقِ سراپا لہز ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راز کس کہیں
پھر چھڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی محلوں سے اکتا گیا ہوں یارب!
شورش سے بھاتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا
مرتا ہوں خاشی پر یہ آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزلت میں ن گزاروں
لذت سرزد کی چو پٹریوں کے چھپو میں
گل کی کلی چٹاک کر پیغام دے کسی کا
جو ہاتھ کا سر حنا سبز سے کا ہو بھونکا
مانوس اس قدر ہو صوف سے میری بیل
صف باندھے نون جانب بوٹے سر ہے ہول
ہو دل فریب ایسا کسار کا نظارہ
کیا نطف انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی منہ ہو
دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا ہو
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجاسا بج رہا ہو
ساعتِ نذر اس کو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
شرائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادھ ہو
نتھہ دے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مراد ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر کے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دھکتا ہو

آنکھیں میں میں کی سو یا سو سو سبزہ
 پانی کو چھو رہی جھک جھک کے گل کی
 مہندی لگائے سو ج جب شام کی دھن کو
 راتوں کو چنے والے چائیں تھکے جسم
 بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دکھائے
 پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موزن
 کانوں پہ پہونہ میسے دیر جسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جسم شبنم وضو کرنے
 اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب
 آئینہ اُن کی میسر اٹھوٹا چوڑا دیا
 جب آسمان پہ ہر سو بادل گھبرا رہا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا
 رونا مراد وضو ہو، نالہ مری دعا
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا

ہر در و سن دل کو رونا مراد لاوے
 بے ہوش جو پٹے نہیں شاید انھیں جگا دے



افتاب صبح

شورشِ مَنخانہٴ انساں سے ہلاتا ہے تو زینتِ بزمِ فلکِ جو جس کے وہ غم سے ہے تو
ہو ذرِ کوشِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس پہیلے اُفقِ نازاں ہو وہ زور سے ہے تو

صفحہٴ ایام سے دُناعِ مداوِ شبِ مٹا

آسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کلبِ مٹا

حُسنِ تیرا جب ابا مِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم غم کی مے کا اُثر

نور سے سور ہو جاتا ہے داماںِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

دُھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلوہ چاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھلے حوصلے زندگی بھر قیدِ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ وبالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ ملتِ آئیں سے ل آزاد ہو

۸۰
بانگِ درا
۶۲

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری رہا
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
ویدہ باطن پیدار از نظمِ قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ ضدِ ادا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ زہرے میں نظر آتے مجھے

صدمہ آجائے ہوائے گل کی پتی کو اگر
اشکِ بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر
دل میں سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے ریلے از حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیرِ ہمدردی انساں کوئی سوانہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں
فیضیت کا نشان اے عطرِ عطر نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہمسرِ یکِ فترۂ خاکِ آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ گرم ہاں شاہی رہا

اور تو منتِ پیہرِ صبحِ منہ را ہی رہا

آرزوِ نورِ حقیقت کی ہوائے دل میں ہے
سیلیِ ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشو عقدہِ مشکل میں ہے
لطفِ صمدِ حاصلِ تارِ مری سہی بے حاصل میں ہے

درو استغما کے اقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کا شناسا تو نہیں

درو عشق

اے درو عشق! ہے گہرا بدار تو
پنہاں تہ نقاب تری جلوہ گاہ ہے
اکی نئی ہوا چمن ہست بود میں
ہاں، خود مائتوں کی تجھے جستجو نہ ہو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو
ظاہر پرست محسن نو کی نگاہ ہے
اے درو عشق! اب نہیں لذت نمود میں
سنت پذیر نالہ بیل کا تونہ ہو
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
اشک جگر کہ از نہ غمت از ہو ترا
گو یا زبانِ شاعر زنجیں بیاں ہو
آواز نے میں شکوہ فُرت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو ملیں ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

خافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ
جو یا نہیں تری نگہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بند کو حیرت میں چھوڑ دینے حکمت پسند کو
 جس کی ہر بات تو ہو یہ ایسا چمن نہیں قابل ترمی نمود کے یہ انجمن نہیں
 یہ انجمن ہے کشتہ نظارہ محباز مقصد ترمی نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل نے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور اس جھل کے کلیموں کا طور ہے

گل پر مردہ

کس زبان سے گل پر مردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو تنہائے دل پہل کہوں
 تھی کبھی موج صبا کھوارہ بھنبان ترا نام تھا صحن گلستاں میں گل خداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا ہے نہاں تیری اُواسی میں دل گریاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ جو حکایت می کنم بشنوائے گل از جداتِ ہاشکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جان تا نفس میں ہے کیا
اے کہ تیری روح کا طائر نفس میں ہے کیا
اس حین کے نغمہ پیدائش کی آزادی تو کبھی
شہرِ حوا بھڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کبھی
فکر رہتی تھی مجھے جس کی وہ نسل ہے یہی
صبر و استقامت کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

نگ تبت ہے مرا کو وہ تفت تبت تبت

چشمِ باطن سے فراس لوح کی تحسیر تبت

مدحائیرِ الدنیا میں ہے تسلیم میں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہِ محشر ہیاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی دستانوں کو نہ چھیڑ

زنگِ پر جواب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری ستارِ بابِ سیاست کا عصا
عرضِ مطلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ مومن کا دل بیم و یاس سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا کر ہاتھوں میں تیرے خانہ معجز قسم شیشہ دل ہو الرتیر اسٹال جامِ بسم
پاک رکھ اپنی زبان تلہیہِ رحمانی ہے تُو ہونہ جانے کبھی تیرا صدابے آبرو
سونے والوں کو جگائے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصہ آفتاب
چرخ نے بالی خُپالی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی
قافہ تیرا وہاں بے منتِ بانگِ درا گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو کھلاتا ہے تُو ہے وطن تیرا کہ صُرفِ سرِ یس کو جاتا ہے تُو

ساتھ اے سیارہ ثابت نمائے چل مجھے خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں

طفکب سیاب پاہوں مکتب بستی میں

انسان اور بریم قدرت

صبح خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اُجلا تیرا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
گل و گلزار تھے حسد کی تصویریں ہیں
سرخ پوشاک ہے ٹھپولوں کی دختوں کی ہری
ہے ترخمیہ گزروں کی طبعاتی جہار
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
رتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تہی سیری
صبح اک لیت سراپا ہے تری سطوت کا
بریم معمورہ بستی سے یہ پوچھا میں نے
سیم سیال ہے پانی تھے دریاؤں کا
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
یہ بھی سورۃِ دانش کی تفسیریں ہیں
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر نچوٹ نہ
مے گلزارِ خم شام میں تو نے ڈالی
پردہ نور میں ستور ہے ہر شے تیری
زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر جل کیا پھر مری تختہ ریا کا اختر کنوئلر؟

نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیہ روز سیہ بخت سیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی بام گردوں سے ویا صحنہ میں سے آئی

ہے تیرے نور سے ابستہ مری بود و بود باغیاں ہے تری ہستی ہے گلزارِ جود

انجمن حسن کی ہے تیرے تری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بکڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے

نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں چو گلستانِ سیرا منزلِ عیش کی جا نام ہو زنداں سیرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے! حلفتِ اہم تمنا میں الجھنے والے

ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز نازیب باتھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیہ روز ہے پھر نہ سیہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لائک فیلو)

اُجالا جب تجھ اِ رخصتِ جبینِ شب کی افشاں کا
 نسیمِ زندہ کی سپہ سالارِ صبحِ خنداں کا
 جگمگایا بیلِ رنگیں نوا کو آتشِ دینے میں
 کنکے کھیت کے شانہ پلایا اس نے دھتاک کا
 طہِ عظیمِ شبِ سورہ والٹور سے توڑا
 اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
 پڑھا خواہی گداںِ فیرِ پافسونِ بیداری
 برہمن کو دیا سپہ سالارِ خورشیدِ خشاں کا
 ہونوئی بامِ حرم پر آگے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے گل میں نمودِ مہرِ تاباں کا
 پکارے اس طرح بواؤ گھٹشن پر کھڑے ہو کر
 چٹک اغنچہ گلِ اُتھو موتوں سے کھٹساں کا
 دیا یہ حکم صحرا میں چلو اے قافلے والا
 چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا
 سوئے گورِ غریباں جب لہتی زندوں کی سستی
 تو یوں بولی لطفِ ارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں بھر بھی آؤں گی
 سلاووں کی جہاں خواب سے تم کو جگاؤں گی



۸۸
 بانگِ درا
 ۷۲

عشق اور موت

(ماخوذ از مثنوی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کھلی تھی
کہیں سر کو تاجِ زرِ بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
بسیہ پیرِ جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کھلی پھوٹتی تھی
فرشتے بسکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
عطا ورو ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہِ کام سے بے خودی تھی
اُٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حورِ چوٹی کو کھولے گھڑی تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسمان ہوں

سکھان کہہ رہا تھا کہ میں لامکان ہوں

غرض اس قدرِ نیتِ سارہ تھا پیارا کہ نیتِ رگی ہو سدا پانپارا
ملک آزماتے تھے پروازِ اپنی جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتا تھا بے تابوں کا
 پئے سیر فرووس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہواؤں کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے فستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شر بن کے رہتی ہے انسان کچل میں
 شکیلی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے نفتلو جب قضا کی
 گرمی اس متبسم کی بجلی اسل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں مرا کام ہے آشکارا
 بھجاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بستا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

زُہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنا تاہوں کہانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہا کرتے تھے ہمسائے میں سے
حضرت کے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا؟
سنا تاہوں کہ کافر نہیں ہیں دو کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کرتے تھے اوبان کا اعلیٰ و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی
تھی تہ میں کہیں درو خیال ہرانی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہدانی
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے چہ میں نے
 مجموعہ اضراد سے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول دیا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب
 اک دن جو سرد راہ ملے حضرت زاہد
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی مناسب ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس منزل کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اجا کی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مرارہ شریعت کی دکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زور و قرب مکانی
 پیری ہے تو وضع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور میری جوانی
 گہرا ہے مرے بھر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانہ

اقبال بھی قہرِ بان سے گاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تسخّر نہیں اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے پہاڑ ہیں دستِ پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہ قریب ہے قوم
شاعرِ زندیں نوا ہے ویدہٴ سینائے قوم

بتلائے دو کوئی عضو ہو تو قی ہے انکھ

کس قدر ہمدِ سارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہٴ وار و رسن بازی طعنِ لائے دل
التجائے ارنی سُخی افسانہٴ دل
یارب اس ساغرِ لبریزی کے کیا ہو گی
جادۂ ملکِ بہت ہے خطِ پیانہٴ دل
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بلی یارب
جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانہٴ دل
حُسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے منہٴ ہوا دانہٴ لھو اکبھی ویرانہٴ دل
عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی امر کا شائد دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ سترِ پُرِ اندہ دل
 عشق کے دم میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
 برق لگتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ ہستی ہے تڑپِ صورتِ سیما مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پایاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی سلفہ لبر و اب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے تو سن میرا

خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہ کر محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں
 آہ اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں
 بکد میں افسردہ دل ہوں درخوہ نسل نہیں
 تو سرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ زیر
 تو کر نکلتے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 گو بڑی لذت ہے ہنسکا مرآت میں ہے
 اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
 مد توں تیرے خجے و آراؤں سے ہم صحبت ہا
 مد توں بیٹھا ترے ہنسکا مرآت میں ہے
 مد توں ٹھونڈا کیا نطسارہ گل خان میں
 چشمِ حیران ٹھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
 آہ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں
 آرزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتر چسپن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ امن کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں

ہم شہینِ بگس شہلا، رستقِ گل ہوں میں ہے چین میرا وطن، ہمسایہِ بیل ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے صبحِ فرشِ سبزے کو گل جگاتی ہے مجھے

ہم ہستی میں ہے سب کو محفلِ آرائی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کوہ کی دودی میں؟

شوقِ کس کا سبزہ اروں میں بھرتا ہے مجھے اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کُنجِ عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامی ہر دمِ قدرت کا ہوں میں

ہم وطنِ ششاد کا قمری کامیں ہم از ہوں اس چین کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنا زے کے لیے دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازاں ہوں اپنے گھر میں خندہ زن ہوں سندِ ارادہ سکندریہ میں

لیٹنا زرخیز بکھتا ہے جاؤ کا اثر شام کے تارے بچتے بڑتی ہو رہ کر نطسہ

علم کے حیرت کدے میں کجاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھنہ آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھین لے تو چلا آیا ہے تو مہربان ہوں میں مجھے نامہربان سمجھا ہے تو

پھر بڑا پڑتے گا اے نوار و استیغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا بار یکساں ہے نولِ تسلیم

آہ! کیوں دکھینے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیری کہاں چینی کی پٹی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شہِ آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوتِ آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ استیغیم

تیری آنکھوں پر پیویدا ہے مگر قدرتِ کارا

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلا آیا ہے تو کیا ماسا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہیں میں بھی تیرا تو تلوں آشنا، میں بھی تلوں آشنا

عارضی لذت کا شیدا تیری ہوں چلا آیا ہوں یہ جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں یہ

میری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

تیری صورت گاہ لریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں

دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ بنیدنِ استاں مری
یہ ستورِ باں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
خوشیِ لغت کو ہے بے بانی ہے باں مری
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے باں مری
چمن میں طرفِ بکھر چکی ہے دوستانِ مری
چمنِ اوس کے بل کر لوٹ لی طرزِ فغاں مری
سراپا چڑوںِ حسرتِ بھری ہوستانِ مری
حیاتِ جاوداں مری نہ مرگِ ناگہاں مری
وہ گل ہوں غمناں گل کی ہے یواخزاں مری

”دیں حسرتِ سرا عمرِ سیتِ افسونِ جبرائیلِ م

رفیقِ دل پیدا نہا خروشِ بے نفسِ دارم“

ریاضِ ہرینِ نا آشنائے بزمِ عشرت ہو
 غمِ روتی ہے جس کو ہمیں محرومِ مسرت ہو
 مری بڑی ہوئی تفتیہ کو روتی ہے گویائی
 میں فربہ شمرنے کو شمعِ سامت ہو
 پریشان میں مُشتِ خالِ لکین کچھ نہ لھتا
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں کہ دولت ہو
 یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصدِ قدرت کا
 سرِ پانور ہو جس کی حقیقت میں عظمت ہو
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو مُشتِ خاکِ صحرانے
 کسی کو لیا ہے میں نے کس کی دولت ہو
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
 میں دھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
 نہ صہبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے از دوعالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیے ہم بانوں میں
 اثر یہ بھی ہے ال میرے جنونِ فتنہ سامان کا
 مرا آئینہ دل ہے قصاکے رازوانوں میں
 رُلاتے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 کہ عبرتِ خیز ہے تیرا فسانہ سببانوں میں
 دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 لکھا کلابِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خانوں میں
 نشانِ گلِ تلک بھی نہ چھو اس باغِ گلچیں
 ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں

چھپا کر استیں نہیں بکلیاں رکھی ہیں گروں نے
 سُن اے غافل صد میری یہ سچی چیز ہے جس کو
 وطن کی فکر کرنا وہاں مصیبت آنے والی ہے
 ذرا دیکھ اس کو کچھ چورہا ہے ہونے والا ہے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذتِ فریاد سید کر
 نہ سمجھو گے تو بٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
 عنادِ باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
 تری بر باد یوں کے مشوے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا احمد کُن کی دستانوں میں
 زمین پُتو ہوا و تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری استان تک بھی ہوئی استانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کام زن محبوبِ فطرت ہے

ہو یا آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جلد نام ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 لہو رو کے محفل کو گستاں کر کے چھوڑوں گا
 مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ درو آشیانہ
 تری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
 پرنا ایک ہی تسبیح میں ان بھرے دنوں کو
 چمن میں مِشتِ خال اپنی ریشاں کر کے چھوڑوں گا
 مجھے اے ہم نشین رہنے دشغلِ سینہ کا ویس
 جو شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 مجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پروں میں سناں چشم بنیادیکھ لیتی ہے

زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفعت کی لذت کے دل کو آشتا تو نے

گزار می عمر پستی میں مثال نقش پاشا تو نے

رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو

کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشتا تو نے

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی آواؤں پر

مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آوا تو نے

تعصب چھوڑنا دانا دہر کے آئینہ خانہ میں

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھ لے برا تو نے

سرا پا لہ بیدار و سوز زندگی ہو جا

سپند آسا لہ میں ماند کھتی ہے صدا تو نے

کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں جنا تو نے

زمن کیا آسماں بھی تیری کج بینی پر دتا ہے

غضب ہے سطر قرار کو چسپا کر دیا تو نے

زباں سے لکھ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل

بنالہ ہے بت پندار کو اپنا حداثا تو نے

کنوئیں میں تُو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

اے غافل! جو مطلق تھا حقیت کو دیا تو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے نگین بیانی کی

نصیحت بھی تر صوفیوں کے افسانہ خوانی کی

و لکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو

جو ٹرپا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

نرا نظارہ سی ہے بوالہوس مقصد نہیں کلا
 اگر دیکھا بھی اُس نے سائے عالم کو تو کیا بھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تھتہ ہے ثمر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ خوشی کے الکل گل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
 یہ رفعت کی تہ ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دُکھ کی ہے مجبوری تیغ اور زور ہنا
 شراب کے خودی سے تافک پوز ہے میری
 علاج زخم ہے آزاد احسان نور ہنا
 شکست رنگ کے سکھائے ہیں بن کے نور ہنا
 تھے کیا ویدہ لریاں وطن کی نوخانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر اشیاں اپنا
 جو توبہ سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 یہ استغنائے پانی میں گوں کھتا ہے ساغر کو
 غلامی ہے اسیر استیاز ماو تو رہنا
 تجھے بھی چلیے شل جابا بجور ہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور یگانہ خور ہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نوعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور ہر

محبت ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیلے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی صُرس بھی کاواں بھی راہِ سیر بھی راہِ نر بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو، یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ کر دشنِ صرخِ کُن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سہا پانور ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہن بھی ہے

اجازا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو سے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

سکوتِ آموزِ طولِ استانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے سہارے منہ میں ورتابِ سخن بھی ہے

”نیکروید کہ تہِ رشتہ معنی رہا کروم

حکایتِ بود بے پایاں بخاموشی ادا کروم“



۱۰۳
بانگِ درا
۸۷

ناله فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آفرائے کھاتے یہ اکلیں آہ! بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین غلبت شب کے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا آغوش و عیش و اغ حیرت چید است

ہمچو شمع کُشتہ چرشم نگہ بید است“

گُشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہر سے داکِ شدت میں کل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہرِ تسکین تیری جانب ڈرتا آتا ہوں میں

اکلمھ کو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے

اجنبیت ہے مگر پیہ امریِ فقاہ سے

وزہ میسے دل کا غور شید آتشا ہونے کو تھا آئندہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخلِ میری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۂ سینائے علم تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم تیرے دم سے تھا پلے سر میں بھی سوائے علم
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سواداںد“

خالِ محسنوںِ اغیارِ خاطرِ صحرائے کاند

کھول دے گا دشتِ دشتِ عقدہِ تقدیر کو توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیراں تری تصویر کو کیا تہی ہو مگر دیدہ تھتیر کو
”تابِ گویائی نہیں رکھتا دہنِ تصویر کا“

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا

چاند

میرے دیرانے کے کوسوں دُور ہے تیرا وطن ہے مگر دریائے دل تیری شش سے معجزن
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟ زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو
افرنیش میں سراپا نور تو ٹھکتا ہوں میں اس سحرِ زمیں سے کین تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیدے تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اکوت نام تری فتا ہے
 زندگی کی وہ میں گزراں کے تو حیران ہوں میں
 میں منزل میں تیرے تو بھی وہ منزل میں ہے
 تو طلب غیب تو میرا بھی یہی دستور ہے
 انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
 مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغام اجل
 پھر بھی اے ماہر بسین میں رہوں تو اور ہے
 گرجہ میں ظلمت سراپا ہوں سراپا نور تو
 میری گردش بھی شال گردش چکا ہے
 تو فروزاں محفل ہستی میں کے سوانا ہوں میں
 تیری محفل میں جی خاموشی ہے کیسے دل میں ہے
 چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے
 بزم میں اپنی اگر ملتا ہے تو تنہا ہوں میں
 محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوہ حسن ازل
 درو جس پہلو میں اٹھتا ہوں وہ پہلو اور ہے
 سیکڑوں منزل ہے فوق آگاہی ہے تو تو

جو میری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمک ہے جس میں جس گتری محروم ہے

ہلال

چمک اٹھا جو ستارے مقدر کا
 چش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 تیری غلامی کے صدمے ہزار آزاوی
 نہونی اسی سے ترے غم کہے کی آباوی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جاتی ہے دھجنا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ ادا شناس تری شراب پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نطائے کاشلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ سحر ہی طور تھا گویا
تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹٹکڑے کے پیسے دے نیا ساید
گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

پیش ز شعلہ رفتند بڑل تو روند

چہ برق حبوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

ادائے دیدہ اپنا تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
افواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطائے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اس کا

سرگزشت دوم

نئے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعت ریاضِ حُت میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاج تغیرِ پند کچھ ایسا
 نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر پھنپ
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حیرت میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اگر سرورِ ربانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دُروں کی ترکیب کے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ سپہ سالارِ اولیں میں نے
 پیاشغور کا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا تہِ رازِ نہ زیرِ فلکِ کس میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازلِ زیرِ استیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم ایل دیں میں نے
 جہاں میں چھڑکے پیکارِ عقل دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا لیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو
 مگر خبر نہ ملی آہ! راز ہستی کی
 کیا حسد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے
 انھی سال میں آئیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گروش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و ورہیں میں نے
 بنا دئی غیبت جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا حسد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے

ہوتی جو چشمِ مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکیں میں نے

ترانہ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
 غربت میں توں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 پریت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا
 گووی میں کھلتی ہیں اس کی ہزاروں نیل
 اے آپ ونگا اوو دن ہیں یاد تجھ کو
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
 گلشنِ بہار کے دم سے شک جہاں ہمارا
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں رکھتا آپس میں ہر کھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان مصر و ماسب مشعلتے جہاں سے
 اب تک طرے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں رہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیے کسی کو دروہاس ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا جان پڑ گئی ہے ہستاب کی کرن میں
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 تلمہ کوئی گرا ہے ہستاب کی قبا کا
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں
 حُرقِ قیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
 رنگین نوا بہت یا مہرِ ان کے زبان کو
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی
 رنگیں کیا سحر کو بانگی دھن کی صورت
 سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
 پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
 گل کو زبان دے کر تسلیم خاموشی دی
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 پانی کو دی روانی، سو جوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن ال بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھپک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رند
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں چمک ہے
 واں چاندنی ہے جو کچھ بیاں درد کی لک ہے
 نغمہ ہے نئے مبل، بو بھول کی چمک ہے
 جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگاموں کا محل ہو

ہر شے میں جبکہ پنہاں شہی ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
اس بندگی زمین والوں کی بستی اچھی
آسمان کیا، عدم آباد وطن میرا
صبح کا دامن صد چاک کفن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا
نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ خست برناتا

قصرِ دیار میں حکمت اپنا گلوں پر نبتا

واں بھی موجوں کی کشائش کے جول لھیراتا
چھو کر بج کر کہیں زینب گلوں ہو جاتا
چمپکنے میں مزاحسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
ایک پتھر کے جوتلڑے کا نصیب جاہ
خاتمِ دستِ یسماں کا نگین بن کر رہا
ایسی چیزوں کا ملکہ ہر میں کا شکست
سچ لہرے لہاں مایہ کا انجام شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ آخبر نام الرزیت عالم ہو کر

کیوں نہ لڑ جاؤں کسی بھول چہ بنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں ہیں کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں ہیں

اشک بن کر مژگنوں کے ٹپک جاؤں میں ق کیوں نہ اُنسو کی انکھوں کے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر چڑھا ہوا ہو کے زہر میں ستوئے میدانِ عنایتِ وطن سے مجھو

یاس اُتید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی دے اور نگاہوں کو حیا طاقست کو یابی دے

زر و نصرت کی لٹھرنی عارضِ قلعوں پہ جائے کششِ حسنِ عینِ حیرت سے افروز ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں غمِ دینِ پریم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوز زبانی کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؒ نے جن زمیں میں پیغامِ حق سنایا ناک نے جس چین میں وحدتِ گائیٹ گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے یہ لرن کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جوتارے فارس کے آسمان سے پتھر بڑے کے جس نے چمکائے لکشاں سے

وہ کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے میرے رب کی آتی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پرست جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

سیا شوالا

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کجبت ہو گئے پرانے

اپنوں سے سیر رکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ آکے میں نے آخرِ دیرِ جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیت کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ شوقِ آبی مٹاویں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدد سے دل کی سستی
آک نیا سوال اس دس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامنِ آسماں سے اس کا قفس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سائے نجاریوں کو مے پست کی ملا دیں

شکستہ بھی شانتی بھی جھکتوں کے گیت میرے

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت میرے

داع

عظمتِ غالب ہے اک مدد سے پیوندِ زمیں
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین
توڑ ڈالی ہوئے غربت میں سینے آہ
چشمِ محفل میں اب تک کیفِ صبا ہے آہ

آج لیکن منو اس را چمن ماتم میں ہے شمع روشن کجھ لہی بزم سخن ماتم میں ہے
بیل دلی نے باندھا اس چمن میں کیا ہم نوا ہیں عین بدل مانع ہستی کے جہاں

چل بسا آغ آہ بہت لس کی زیوش ہے

آخری شاعر جہاں باو کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طرزیں آگ تھی کا فور پیری میں جوانی کی نہاں
تھی بان آغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلی معنی ہاں بے پردہ یاں سلسل میں ہے
اب بے کون نوحے کا سکوت گل کارا کون سمجھے کا چمن میں ناکہ بیل کارا

تھی حقیقت سے ز غفلت فکر کی پروازیں

اسکھٹ سار کی نشین پر ہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضمون کی بہن باریکیاں اپنے فکر نکست آرا کی فلک سپاسیاں
تلخی دوراں کے نقشے کھینچ کر لہرائیں گے یا تختیل کی نئی دنیا میں دکھلائیں گے
اس چمن میں جس کے پیدا بیل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحب عجاز بھی
اٹھیں گے آرزو ہزاروں شعر کے بت خانے سے مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
بکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت ہوں گی لے اب جانی اتیری تعبیریں بہت

سو ہو کھینچے گا یہ سن عشق کی تصویر کو نہ

اٹھ لیا ناول سنگن مارے گا دل پر تیر کو نہ

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں تو بھی رولے خالِ آبی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہانِ آباد اے سرمایہٴ بزمِ سخن! ہو گیا پھر آج پامالِ حسنہ ان تیرا چمن

وہ گلِ نجس ترا زخمتِ مثالِ بُو ہوا او جہاںِ آبی داغ کے کاشِ نہ اُڑو ہوا

تھی نہ شاید کچھ ششِ ایسی وطن کی خال میں وہ سرِ کمال ہوا پس کن کی خال میں

اٹھ گئے ساتی جو تھے مے خانہ خالی رہا

یادِ کارِ بزمِ دہلی ایک حسالی رہا

ارزو کو خونِ رُلا تھی ہے بیدارِ اجل مارتا ہے تیر تارِ مٹی میں صیادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکنِ باں ہے حسنہاں کا رنگ بھی جہِ قیامِ طہاں

ایک ہی قانونِ عالمِ حیر کے ہیں سب اثر

بوتے گل کا باغِ نئے گلچیں کا دنیا سے سحر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پڑا سرِ بن کا

نہاں ہوا جو رخ مہر زرد امن ابر
 ہوا تے سرد بھی آئی سوار تو سن ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
 عجیب ہے کہ قہ بنے خروش ہے یہ گھٹا
 چمن میں حکم شاطِ مدام لاتی ہے
 قبا تے گل میں گھر ٹانے لواتی ہے
 جو پھول مہر کی لہری سے سو چلے تھے اٹھے
 زمیں کی کود میں جو پڑے سو ہے تھے اٹھے
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اٹھی وہ اٹھٹا لہو ابس ٹپا بادل

عجیب خیال ہے لہار کے نہالوں کا

یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سر شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہا تھا
 چمکتی چیزاں دیکھی زمیں پر
 اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
 کہا جنگلو نے او مرغِ نوا ریزا
 نہ کہ بکس یہ منتظر ہو س تیز
 تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
 اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 لباسِ نور میں ستور ہوں میں
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چمک تیری بہشتِ گوشِ اُتر ہے چمک میری بھی فروزِ نظر ہے
 پڑوں کو میرے قدر سے ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی
 ترمی منفِ کار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شیں سوز
 قیامِ بزمِ ہستی ہے انھی سے ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہنگی سے ہر محفلِ جہاں کی
 اسی سے ہے ہمارا بس بوستان کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ کب پروانہ خوا شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی مہیا رہتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جُھنڈی ہے کیا روشنی سے کیا بغلِ میری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترانہ تھا سادلِ حیران ہے

یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چہ پان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سراپا نو ہے
 آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے
 دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
 شجہ کو خالِ تیرے کے فانوس میں پہناں کیا
 نورِ تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ الہی
 ہے غبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراہوشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سستی ہے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پایانِ حسن
 آنکھ الٹ دیکھتے تو ہر قطرے میں طوفانِ حسن
 حُسن کو ہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
 مہر کی ضوِ سترونی شب کی بسیہ پوشی میں ہے
 آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
 شام کی طلعتِ شفق کی گلِ فروشی میں ہے
 عظمتِ درینے کے ٹٹے ہوئے آثار میں
 طفلِ ناسا شنائی کو ششِ گفتار میں
 ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
 ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
 چشمہٴ لُہار میں دریا کی آزادی میں حسن
 شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن
 روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا
 ورنہ اس صحرا میں کون نالاں ہے مثلِ حیرا

حُسن کے اس عالمِ جلوے میں بھی تَب ہے تاب ہے

زندگی اس کی مثالِ تاپی ہے آب ہے

۱۲۰
 بانگِ درا
 ۱۰۴

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں مجھ سے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مے دل کی
 پیامِ جد سے کا یہ زیر و بم ہوا مجھ کو
 جہاں تمام سوا جو سرم ہوا مجھ کو
 سرِ لہارِ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوا ہے ہر شام
 لیے ہے پر فلکِ ستِ عرشہ دار میں جام
 عدمِ کوفتِ افلاکِ روزِ یسز گام چلا
 شفق نہیں ہے یہ سوج کے ٹھول ہیں لویا
 کھڑے ہیں وہ عظمستِ فرائے تنہائی
 سنارِ خوابِ گہ شہسوارِ چغتائی
 فسانہِ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل
 مقامِ لیا ہے سر و خموش ہے لویا
 شجرِ یہاں بس بنے خروش ہے لویا
 رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز
 ہوا ہے موج سے طالعِ جس کا گرم ستیز
 سبک دوی میں ہے شلنگاہِ شستی
 نکل کے حلقہ حدِ نظر سے دور لیتی
 جہازِ زندگی راوی رواں ہے یونہی
 ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی کبھی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الحاجۃ مسافر

(بہ درگاہ حضرت محبوب الہیؑ دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
تکے عشق کے تیری شش سے ہیں قائم
نظام سحر کی صہوت نظام ہے تیرا
تری لحد کی یار سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اُنچ مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان بڑا استرام ہے تیرا

السیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگرشت و جبینم، گل ہزار توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شبنم گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لکے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرائیوں
کیا خدانے مجھ تلج باغباں مجھ کو
فنائین صفت مہر مہوں زمانے میں
ترمی وصال سے عطا ہوئے نواں مجھ کو
مقام ہم سفر سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کاواں مجھ کو

مری بانِ تسلیم سے کسی کا دل نہ دکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو میرا سماں مجھ کو
 دلوں کو چال کرے مثلِ شانہ جس کا اثر
 ترمی جناب کے ایسی بے فتنہاں مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ خس میں نے
 چمن میں پھر نظر آئے وہ اشیاں مجھ کو
 پھر آکر لکھوں تدم اور وہ چہرے ہیں
 کیا جنھوں نے محبت کا راز دیاں مجھ کو
 وہ شمعِ بارگہ حنا ندانِ مرتضوی
 ہے گامِ مثلِ حرم جس کا استاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی مٹی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ دیاں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ حنا وندِ آسمانِ بزیں
 کمرے پھر اس کی یار سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ مثلِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من تو
 ریاضِ ہر میں مانسہ گل ہے خنداں
 چوائے عیش میں پاؤں کیسا جواں مجھ کو
 کہ ہے عزیز تر از جانِ وہ جانِ جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ التجا سے منسہ قبول ہو جائے



عزلیات



گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی پسینہ سے بار بار دیکھ
آیت ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ
دم نہ نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ
مانا کہ تیری دیک کے قابل نہیں میں
تو میرا شوق دیکھ مرا منتظر دیکھ
کھولی ہنرِ قریب نے آنکھیں تری اگر
ہر گز زینتِ شکرِ نعل کے یار دیکھ



نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی
مکرو عہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
تمہارے پیامی نے سب زلھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا
تری آنکھ سستی میں ہیار کیا تھی!

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد مگر یہ بت طسّر انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانب طور موسیٰ کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قہرِ سبالتیرا
فسوں تھا کوئی تیری گُفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین داری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے چمکتا ہے نے پانی ہے جہاں سے
ہم اپنی دروسندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے راز و اس سے

بڑی باریک ہیں اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذان سے



لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے بجلیاں بے تاب ہوں حرج کو جلانے کے لیے
وائے ناکامی فلاں کے تال کر توڑا اُسے میں نے جس ڈال کو تارِ آشیانے کے لیے

اکٹھ مل جاتی ہے ہفتاد و دو تہ سے تری
 ایک پیمانہ ترا سارے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسمان میرے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چمن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھا نا کامی صیاد کھائے ہم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے

اس چمن میں مرغ دل کا تے نہ ازاد می کالیت
 آہ! گشتن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرت سے دام ہوا کیونکر ہوا
 جاتے حیرت پر اسارے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیونکر ہوا
 ہے طلب بے تدعا ہونے کی بھی ال مدعا
 مرغ دل دام مست سے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبر کیونکر ہوا
 حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نکال کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے در فراق
 چارہ لرو یوانہ ہے میں لا ووا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت کُل
ہو کے پیدا خال سے نگہیں قبائلوں کو ہوا
پریش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیونکر ہوا

میرے ٹٹنے کا تاشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں اُن کا میرا سنا کیونکر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
علاج درد میں بھی رد کی لذت پہ مرتا ہوں
پھلا پھولا رہے یارب چمن میری اُمیدوں کا
رُلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانانِ بادِ سپنے کی
نہیں گناہی اچھی فرساقِ اہِ منزل سے
اُمید حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نوکِ سونے نکالے ہیں
جلد کا خون دے دے کر یہ ٹوٹے ہیں پلے ہیں
نرا عاشق ہے میرا نزلے میرے نزلے ہیں
نشین سکڑوں میں بنا کر پھونک ڈالے ہیں
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
یہ حضرت دیکھنے میں ہے سادے بھولے بھالے ہیں

مے اشعار اے اقبال! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درگیز نالے ہیں

۱۲۷
بانگ درا
۱۱۱



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
منصور کو نہو الہام کو یا پیام موت
اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
عذر آفرین جبرم مجتہد ہے حسن دوست
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی
چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشین
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
نظارے کو یہ جنبشیں مرگاہ بھی رہے
زیریں کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مرنے ہیں تمنائے شوق میں
دو چاروں جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مے بازار کی رونق ہی سوائے زیاں تک ہے
دوئے کش ہوں فروغ مے سے جو گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراق ساقی نامہر باں تک ہے

۱۲۸
بانگ درا
۱۱۲

چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوائی تک
 وُہشتِ خال ہوں فیضِ پریشانی سے صحر اہوں
 جہنم میں نہ خواہید ہے میرے گرگڑے میں
 سکونِ دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمنِ زارِ محبت میں خموشی موت ہے بے بدل
 جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تما بھی
 رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آشیان تک ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی زین کے آسمان تک ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیل کا رواں تک ہے
 کہ عقد و خاطر لہر و آب کا آبِ رواں تک ہے
 یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغان تک ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے اے نادانی!
 سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تک ہے



جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ حبس سانی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیا ہے تو نے اے محبوب
 مہینے وصل کے گھڑیوں کی صوت اڑتے جاتے ہیں
 وہ نکلے میرے طلعتِ خانہ دل کے مہینوں میں
 مکان نکلا تھامے خانہ دل کے مہینوں میں
 تو سنگِ آستانِ کعبہ جابلہ تجب سینوں میں
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 مگر گھر یا جنت کی گزرتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے نا خدا کیا عرق مٹنے سے

چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جلا سکتی ہے شمع شہ کو موج نفس ان کی

متنا در و دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے گنہگارے کو

کسی ایسے شے سے ٹھونک اپنے خرمین دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹے ٹوٹے والا

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن عاشق

پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے ناعف و نفاذ

نمایاں ہو کر لکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

۱۳۰

بانگ سے درا

۱۱۲

کہ جن کو ڈوبنا پڑا ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

وہی نازا فریں ہے جلوہ پیرا ناز سینوں میں

الہی الیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹیا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں

وہ رونق انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں

کہ خورشید قیامت بھی تو میرے غم شہ چینوں میں

یہ وہ ہے جسے رکھتے ہیں نازک اہلینوں میں

بھلائے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ترا رتبہ ہا بڑھ چڑھ کے سب نازا فرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریک بینوں میں

ادب پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادلی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کہ میں آپ کا سنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی یہ نیاز کرے
 بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اعظا خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی جو ہوشیاری وستی میں امتیاز کرے
 مدام کوشش بدل دے ساز ہے ایسا جو ہوش گستا تو پیدا نوئے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے جو بے عمل یہ بھی حمت وہ بے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ عجب
جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے
غروں زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دل پر غمیرے غافل ہوں میں
ٹائے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
میں جیبتی تک تھا کہ تیری جلوہ پسندی نہ تھی
جو نہ وہ حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریائے نیلے غوطہ زن کو ہر بدست
وائے محرومی، خرف چہ لبِ ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملکوتی ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش پہ تونا زار نہ ہو
تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تار ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے ملتے ہیں مراد
 نقیہ کی روش سے تو بہتر ہے خود نشی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبنم کی طرح ٹھولوں پہ وہ اور چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسمِ لک سے بیٹھنا
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر مدد
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم
 نقطے کی ہوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بسل نہیں ہے تو تو تروپت با بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سوا بھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تست با بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی کبھی اے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑے

(۱) جود...

(۲) سطر عارفه...
 (۳) سطر عارفه...
 (۴) سطر عارفه...
 (۵) سطر عارفه...
 (۶) سطر عارفه...
 (۷) سطر عارفه...
 (۸) سطر عارفه...
 (۹) سطر عارفه...
 (۱۰) سطر عارفه...

۱۳۲
 باقی در
 ۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

حامد
دشمن درد سوار بر اسب

۱۱
۱۱

آجا چرخ ترا گردون کی آبرو - تو بجز کوه تپا تری بوم
ردن ساجو تره رسته دل و ناب - ماقی نه ترکگی بر بلع آرزو
بدرغیل و زهر بر فتنه کی بند - چاد و خنجر به جگر خنجر

انده غنچه جلی
نحوه جگر و کبد و معده و ریه

بدرغیل و زهر بر فتنه کی بند - چاد و خنجر به جگر خنجر

تو دزد بزنی به حکمت تار و عنقاوی دل - بزم خفا و زنگار
دندان کرد و دل و بزم و کوب - بزم و کوب و زنگار
آب و خنجر و زهر و کوب - بزم و کوب و زنگار
نوا در است و در دل و کوب

سرخ و کوب و زهر و کوب

انده غنچه جلی

۱۳۶

بازگشت

۱۲۰

محبت

عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآن پہ لباس نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی بہت دلیوا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا تھا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہِ کفایت
 نگاہیں مال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی
 بڑھا تبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزلنے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تار سے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے پسینگی پائی
 ذرا سی پھر بوہیت کے شانِ بے نیازی لی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمس کے استیلا سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے
 یوید اٹھی یعنی کی تنہا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پائین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روح آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ عظم سے
 تناتے کی آخر برآئی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیری تھوڑی سی شب کی لطفِ برہم سے
 حرارتِ لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزی افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو لھولا چشمہ حیا کے پانی میں
مہوس نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
مرتب نے محبت نام پایا عرشِ عظم سے
گرہ لھولی تنہا نے اس کے گویا کا عالم سے
ہوئی جنبش عیاں ذروں نے لطف خواب کو چھوٹا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پانی داغ پاتے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا
شبِ و از عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے نگ تغیر سے جب اس کی
کہیں قریب تھا، کیفیت کو قمر نے سُنی
سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبِ نیم کو
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبِ نیم سے
چمن سے و تا ہوا موسم بہار کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا
شبِ و از عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے نگ تغیر سے جب اس کی
کہیں قریب تھا، کیفیت کو قمر نے سُنی
سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبِ نیم کو
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبِ نیم سے
چمن سے و تا ہوا موسم بہار کیا

۱۳۸

بانگِ درا

۱۲۲

پیام

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ مش سے آشنا
بزمِ کوشلِ شمعِ بزمِ حاصلِ سو ساز و
شانِ کرم پہ ہے مدارِ عشقِ کرہ نشاے کا
ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
صوتِ شمعِ نور کی ملتی نہیں قبائے
جس کو خدا نہ دہر میں لریہ جہاں لداڑے
تائے میں وہ قمر میں وہ جہد وہ کسحرمیں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ ٹوسد مرے امتیازے
عشق بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیاز سے
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جوابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشا ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز ہے
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ ٹہن بدل لیتی
اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

سوامی رام سیرتھ

ہم بغلِ دریا سے ہے اے قطرِ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا، بن اب گوہرِ نایاب تو
آہ لھو لاکس او اسے تو نے رازِ رنگِ بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیارِ رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شر محشر بنا
 یہ شرارہ مجھ کے آتش خانہ آزر بنا
 نفی ہستی ال کر شہ ہے دل آگاہ
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'اللا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجم ہے
 تھم لئی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق
 ہوش کا دار ہے لویا ہستی سنیم عشق

طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
 عشق کے درمیں کھڑے کلام اور ہے
 طاہر زبرد ام کے نام لے تو سن چلے ہوتم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوہ سے صدارت حیات ہے سکوں
 کہتا تھا سورنا تو اں لطف خرام اور ہے
 جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
 موستے عیشِ جاوداں ذوقِ طلبِ الرنہ
 گروش آوی ہے اور گروشِ جام اور ہے
 شمعِ سحر یہ کہ لئی سوز ہے زندگی کا
 عنم لدہ نمود میں شرط و دام اور ہے

بادہ ہے نیم راس ابھی شوق ہے ناسا بھی
 رہنے چشم کے سر پہ تہِ خشتِ کلیا بھی

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا علی نگاہِ مکر فرصتِ نظر نہ ملی

ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مینِ حسرت نہ ملی

بساطِ لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ جناب کا، تابندگیِ شرارے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسین بھرا غمِ فنا ہے تجھے لُنبہِ فلک سے اتر

ٹپکِ بندِ ہی کرؤں سے ہر شہِ بنم مرے یا ضحیٰ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغباں ہوں محبتِ بہار ہے اس کی

بنامِ شالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سیمینِ سر نورِ عرشید کے طوفان میں منگنا حُسن

جیسے ہو جاتا ہے کُلمِ نورِ کلمے کے لرا خیل چاندنی است میں متا کب ہم رنگِ کنول

۱۲۱
باقی ہے در
۱۲۵

بسوہ طور میں جیسے یہ مصیاتِ کلیم
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سہیل محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محسن ہے تو ہنگامہ محفلِ جوں میں
حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصلِ جوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت جوں اگر میں تو شفقِ تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترمی تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہسا
میرے بے تاب تخیل کو دیا تو نے فستار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نتے جو ہر سوئے پیدا مے آئینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھکایا کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری اُمیدوں کے نہال

قندِ ہو یا آسودہ منہ دل میرا

... لی لو د میں بلی دلیہ لہ

تجھ کو دوزیدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزِ آغازِ محبت کی بتا دی کس نے
ہر اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے چلتی ہے فکاوت کیسی

۱۲۲

بانگِ درا

۱۲۶

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 اکلمہ تیری صفت آئینہ حیران ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونہچوں کے عجب ناز ہے یہ
 شوخ تو ہولی تو لودی سے تاریں گے تجھے
 کیا تجس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں
 شیشہ دہر میں ماندے ناب ہے عشق
 دل ہرزہ میں پوشیدہ کس ہے اس کی
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 چھڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے
 صورت دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں کھیں
 رُوح خورشید ہے خونِ گل ہوتا ہے عشق
 نوریہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گھر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب کھاتی ہے سحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 جدو آتشام ہے یہ صبح کے مغلز میں
 کھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سدا مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے منے لیتی ہے

مے خورشید ابھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
تیرے جلوے کا شمع بن جو مے سینے میں
عکس آباد ہو گیا مے کتینے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تیری گوارہ مے دل کے لیے
ذرہ ذرہ ہو مرا پھر طرب اندوز حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش ہوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیرے
تارے کہنے لگے فترے
نظارے ہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چوک چمکے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تارے انسان شجرِ حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ سفر کیا

منزل کبھی آئے گی ظن کیا

کنے لگا چاند، نیم شینو اے مزرع شب کے خوش چینیو!

جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا شہسب زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس ہ میں مستام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا، نکل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حُسن آغا ہے عشق، نہتِ احسن

وصال

جُستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بے محل مجھے
خوب قسمت سے آخر گل کیا وہ گل مجھے

خود تڑپاتا تھا، چمن الوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگیں نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا کیا تھا
از تکاب جرم الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفل گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آئینہ در شب دیخو رہی تھی

از نفس و سینہ نگوشتہ نشتر و شتم

زیر خاموشی نہاں غوغاے محشر و شتم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہل طُشَن پر گراں سیرِ غزل خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے

غارِ الفت سے یہ خال سیدہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدیم و یرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

ضو سے اس نور شید کی اختر مرآت بندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک لفظ نہ کروئی آدابِ فنا و مہمتی

اے خنک روزے کے خاشاکِ مرا و اسوختی



۱۲۶
بانگ درا
۱۳۰

سُلیٰ

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبِ نیم کے موتیوں میں، نچوڑوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں
ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
انکھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



عاشق ہر جانی



ہے عجب مجموعہ اصدائے قہسِ ال تو
 رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 زینتِ گلشن بھی ہے آتشِ صحرا بھی ہے
 ہم شین تاروں کا ہے تُو رفعتِ پرواز سے
 اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلکِ پیا بھی ہے
 عینِ شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدریز
 کچھ ترے سلاک میں ناکِ شربِ دنیا بھی ہے
 مثلِ بونے گلِ لباسِ گنا کے عراں ہے تو
 ہے تو حکمتِ آفریں لیکن تجھے سوا بھی ہے
 جانبِ منزلِ واں بے نقشِ پاماندِ موج
 اور پھر اُفتادہ مثلِ حاصلِ دریا بھی ہے
 حُسنِ انانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تعسّفِ تن پر مدّا
 تو کبھی ایک آستانے چہرینِ فرسا بھی ہے؟
 ہے حسینوں میں و فانا آشتِ نائیرِ خطاب
 اے تلونِ کیش! تو مشہور بھی سوا بھی ہے
 اے تلونِ کیش! تو مشہور بھی سوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیماں تو

تیری بجاتانی کے صدقے ہے عجب بجاتاں تو

۱۲۸

بانگِ درا

۱۳۲

عشق کی آشفتمندی نے کر دیا صحرا ہے
 ہرگز اڑوں اس کے پہلو، رنگ پہر پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیز
 آرزو بہ کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو حسین بازہ ہے ہر خط مقصودِ نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تماشائے شادِ جستا
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو کل کی لیے پھرتی ہے اجڑا میں مجھے
 زندگی اُلفت کی درونجا میوں سے ہے مری
 سچ اگرچہ تو افلاسِ تختیل ہے وفا
 فیضِ سانی شبِ نیم آسمانِ طرفِ دل دریا طلب
 مجھ کو پس اگر کے اپنا کھتہ چیں پیدا کیا

مشتِ خال ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں یہ کالوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورِ دینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جنِ دل کُوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ مے مضبوطِ پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوزِ سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
 ہونہیں سکتا کہ دل برقِ آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ اودہ کاملِ تحبلی مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ بے پایاں ہے درِ ولادوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دمِ الِ نیا محشرِ پیا رکھتا ہوں میں
 تشنہِ اتم ہوں تشنہِ زیرِ پا رکھتا ہوں میں
 نقشِ سچوں اپنے مصوے کا رکھتا ہوں میں

محفلِ ہستی میں حبِ ایسا تنابِ علم و توحسن
پھر تخیلِ کس سے نہ تھا رکھتا ہوش

دربِ بابِ طلبِ پیوستہ می کو شمیم

موجِ بحیرِ شکستِ خویش بر بوشیم

کوششِ ناتمام

فُرتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و ماضی
چشمِ شفق ہے خوں فشاںِ اخترِ شام کے لیے
رہتی ہے قیسِ روز کو سیلیِ شام کی ہوس
اخترِ صبحِ مضطربِ تابِ دِوام کے لیے
کہتا تھا قطبِ آسمانِ قافلہٴ نجوم سے
ہم سہو میں ترس گیا لطفِ غم کے لیے
سو توں کو ندیوں کا شوقِ بھر کا ندیوں کو عشق
موجبہٴ بحر کو تپشِ ماہِ تمام کے لیے
حُسنِ ازل کہ پردہٴ لالہ و گل میں ہے نہا
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے



۱۵۰
بانگِ درا
۱۳۲۲

نوائے غم

زندگانی ہے مری شل باب غاموش جس کی ہر رنگ کے غموں سے ہے لبریز آنکھوں
 بربط کون مکان جس کی خموشی نیشا جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں غموں کے مزا
 محشرستانِ فوج کا ہے امیں جس کا سکوت اور منت کشش منہا نہ نہیں جس کا سکوت

آہ! اتیہد محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیم چمن طور کبھی سمت گرووں سے چوائے نفسِ حور کبھی
 چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات جس سے ہوتی ہے ہر ہارِ روح گرفتارِ حیات
 نغمہ یاس کی ویمی سی صدا اٹھتی ہے اشک کے قاف سے کو بانگِ در اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نکتہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ حور میں جو غم سے پہنکار نہ تو
 پر می کو شیشہء الفنا میں اُتار نہ تو
 مجھے فرقتِ ساقی جمیل نہ کر
 بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حُسنِ کیا کہ جو محتجِ چشمِ بیاہو
 وہ عیشِ ہمیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر نہ رہو

عجیب چیز ہے احساسِ زندگی کا
 عقیدہءِ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا

۱۵۲

بانگِ درا

۱۳۶

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اُٹھنے کے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بحرِ جاوہِ پیمیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اُٹھتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پایا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحرِ خیز لانے والا پیامِ برخیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ گیسوِ وجود ہر شے سرستِ مے نمود ہر شے

کوئی نہیں غمِ لساںِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تنابے تاب پالتا ہے جسے آغوشِ تختل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
 ایک افسانہ نگہیں ہے جوانی جس سے
 جو سکھاتا ہے ہمیں سربہ لریباں ہونا
 منظرِ عالم حاضر سے لریزاں ہونا
 دُور ہو جاتی ہے اُدرال کی خامی جس سے
 عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتمِ دہر میں یارب نگہیں ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیلر، ہائیڈل برل کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
 وادی کے نوافروش خاموش
 کنارے سبز پوش خاموش
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولہی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافسوں ہے
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
 تاروں کا خموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا
 قدرتے مڑتے ہیں گویا

۱۵۲
 بانگ درا
 ۱۲۸

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

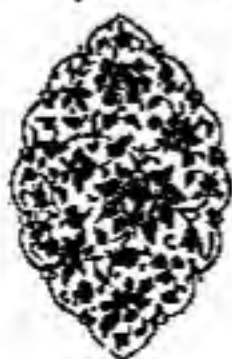
تنہائی شب میں ہے حزن کیا انجم نہ تیں سے نیم شیں کیا؟
یہ فہستہ آسمانِ خاموش خوابید زمین جہاں خاموش
یہ چاند، یہ دشت و دریا کہسا فطرت سے تم نام سترن
موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تیرے اسوؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے دل!
قدرت تری ہم نفس ہے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کار و درویش! میں نازِ تہوں، تو نیازِ ہوا
میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سراپاِ ایازِ ہوا

نہیں ہے وابستہ زیرِ لُردوں کمالِ شانِ بکندری سے
 تمام سماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی کے کمالِ پائے ہلالِ تیرا
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو، ادھشتالِ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فوراً مل ہے الرچسمن میں تو اور دامنِ وراز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرانوردیوں کا
 جہاں میں مانندِ شمعِ سوزاں میانِ محفلِ کُداں ہو جا
 وجودِ اندکِ محبازی ہے، ہستیِ قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت پہ یعنی آتشِ زینِ طلسمِ مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ آفتابِ آذری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ بہتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



فراق

تلاشِ گوشہ عزلت میں چھپ رہا ہوں میں
 یہاں پہاڑ کے دامن میں آٹھپا ہوں میں
 شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
 وعلت طفک گفتار آزما کی مثال
 ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوِ سرخستہ شام
 بہشتِ دیدہ بسینہ ہے حسنِ منظرِ شام
 سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
 یہ کیفیت ہے مری جانِ شکیبہ کی
 مری مثال ہے طفلِ صغیر تنہا کی
 اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرد آغاز
 صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
 یونہی میں دل کو پیامِ شکیبہ دیتا ہوں شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ صاف اور پر
 ایک نیر یاد ہے مانند سپند اپنی بساط
 اہلِ محفل کو کچھ سادیں اثرِ صقلِ عشق
 جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دلہا کران کو
 اس پس کو سبقِ آئینِ نو کا دے کر
 رختِ جاں بت کدہ چس سے اٹھالیں اپنا
 دیکھہ اشیرِ ب میں ہو اناقتِ لیلیٰ بیکار
 بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کدہ اُ
 گرم رکھتا تھا ہمیں سڑی مغرب میں جو داغ
 شمع کی طرح جیسے بنم لہ عالم میں
 بزم میں شعلہ نوا آتی سے اُجبالا کر دیں
 اسی ہنگامے محفل سے وہ بالا کر دیں
 سنگِ امروزی کو آئینہ و نہ در کر دیں
 تپشِ آمادہ تراز خونِ زلفِ کر دیں
 قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کر دیں
 سب کو موجِ مرغِ سعدی و سنلی کر دیں
 قفس کو آرزو سے نو سے شناسا کر دیں
 جدِ شیشہ و پیانہ و سینا کر دیں
 چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کر دیں
 خوب بدیں دیدِ غیب کار کو بنیا کر دیں

”ہرچہ در دل گذر و وقفِ زبانِ ارشدِ شمع

جوستن نیست خیالے کہ نہماں ارشدِ شمع“

۱۵۸

بانگِ درا

۱۲۲

صفت

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کرے دیدِ خوشنابا وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزا
تھایہاں ہنگامہ ان صحرائیں کابھی بحرِ بازی کا وہ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں بجلیوں کے شیشیا نے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پیمانہ تھا جن کا ظہور کھائی عصرِ کائنات کو جن کی تیغِ جہاں سب
مردِ عالم زندہ جن کی شویشِ کسم ہوا آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر تہذیب کے

کیا وہ تہذیب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

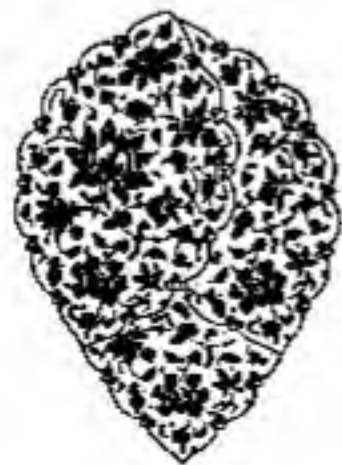
آہ اے سسلی ہمسند کی ہے تجھ سے آبرو رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب سے خال کے خسارِ دریا کو رہے تیری شمعوں سے تسلی بحرِ بیابان کو رہے
پوشِ بک چشمِ مسافر پر تر اظہارِ مدام موجِ قصبات سے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا
حُسنِ عالم سوز جس کا آتشِ نظر تھا

نالا ششیراز کا بیل ہوا بنداد پر داغ رویا خون کے آسوجہ ان باد پر
آسمان نے دُعا کی ناطہ جب برباد کی ابنِ بدوں کے دلِ ناشائستہ یاد کی
غم نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تعست دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان تیرے حساس کی خموشی میں ہم اندازِ بیاں
دروا پنا مجھے کسے کہنے میں بھی سراپا دروہوں جس کی تو منزل تھا میں اس کا رُاں کی گردِ پو
زنگِ تصویرِ بہن میں بھر کے لُٹکا دے مجھے قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپ دے مجھے

میں ترا تحفہ سوتے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں و تاپوں اوروں کو وہاں رُلاؤں گا



غزلیات

زندگی انسان کی الوم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا ہست زندگانی کو مگر
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 شمع بولی ہر یہ عنسم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 زائرین کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی
 کیا حرم کا تحفہ نہ مزم کے سوا کچھ بھی نہیں

الہی عقل خجستہ پے کو ذرا سی یوانلی سکھاؤ
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
 اسے سووائے بخند کاری مجھے سر پہ ہنسی سے
 مثال شمع مزار ہے تو ترمی کی انجمن نہیں سے

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدینِ عاشق ہے لے لے
 وہ چیز تو مانگتا ہے مجھ سے زیرِ پرچ کُن نہیں ہے
 نرالا ہے جہاں کے اس عو کے معانے بنایا
 بنا ہے حصارِ ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے
 کہاں کا کہاں جانا فریبِ امتیازِ حق
 نو دہشتے میں ہے ہماری کہیں کا وطن نہیں ہے
 مدیرِ مخزن سے کوئی اقبالِ حاکم میرا پیام لے دے
 جو کا کچھ لڑھی میں میں انھیں باق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
 مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
 جو موجِ دریا لگی یہ کہنے نافرے تمام ہے شانِ میری
 گھر یہ بولا صد فاشی نی ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
 نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں بنتی
 ہوا نہ سرسبزہ کے پانی میں عکس سرِ کونار جو کا
 کوئی دل ایسا نطفہ نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
 الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنا نہ ہے آرزو کا

۱۶۲

بانگِ درا

۱۲۶

کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتھا کوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
ننگہ کو نظارے کی تناس ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسا
ترمی نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سب کو کا

ریاض ہستی کے فترے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی سمیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
پنیر کوئی دھیت ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرط ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریبِ خوروہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نول نشتر سے تو جو چھیرے
یقین ہے مجھ کو کرے رُل گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

کیا ہے تفتد کا زمانہ مج زخمت سفر اٹھاتے
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یار ہے کفیت کو کا
 جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
 مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی ابرو کا



چمکتی تیری بجلی میں آتش میں شرار میں
 بلند ہی آسمانوں میں زمینوں میں تیری پستی
 شریعت کیوں نمایاں گیسو ذوق تکلم کی
 جو ہے بیدار انساں میں وہ لہری منید سوتا ہے
 مجھے چھونکا ہے سوزِ قطرہ اشکِ محبت نے
 نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
 سکونِ آتشِ نار ہوا ہے سامانِ ہستی ہے
 جھٹکتی ہی عید چاند میں موج میں تارے میں
 روانی بھر میں فستادلی تیری کنارے میں
 چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں
 شجر میں پھول میں حواں میں شجر میں ستارے میں
 غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شہرے میں
 وہ سوا المومن میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
 تڑپ کے دل کی ماریں جھپکے ابھی سے پارے میں

صدائے لہجہ کی آواز اقبال میں چپ رہا
 تقاضوں کی کمال طاقت ہے مجھ فرقت کے ملے میں

یوں تو لے بزمِ جہاں بولش تھے کھمے تر
 ال ذرا افسردگی تیرے ہماشاؤں میں تھی
 پالنی اسوولی کوئے محبت میں وہ خال
 مد توں آوارہ جو حمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پروہ انکور سے نکلی تو سیناؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں کسے لہاؤں میں تھی
 میں نے اے اقبال کو یہ میں اُسے صوبہ
 بات جو ہندوستان کے ماہ سیاؤں میں تھی

مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نہ سازا دوا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے عظیم تری
 شجرِ حبر بھی خدائے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھوٹے کی یہاں
 ستم کشن پیش نام کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پایہ بند نام کرتے ہیں
 غرض نشاء ہے شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہ بھگے کی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیرانِ خضر پوش میں کیا کہ الٰہی سے جانوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی محفلِ عشرت کے کانپ جاتا ہوں جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 ہرے ہو وطنِ مازنی کے سیدانوا جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز بھی پڑھتے ہیں سزا اقبال
 بکاکے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
 سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان سخنِ نہ، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حرفِ رزار ہوگا

۱۶۶
 باغیچہ دریا
 ۱۵۰

سنا دیا گوش منتظر کو جب زکلی خاشی نے آخر
 جو عہد سہرا تیوں سے باندھا لیا تھا، پھر اُستوار ہوگا
 نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اُٹا دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر پوشتیار ہوگا
 کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیرِ حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا
 دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی وہاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
 تمہاری تہذیب اپنے پنجہ سے آپ ہی خوشی کے لی
 جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا
 سفینہٴ برکِ گل بنائے گا قافلہٴ سوزِ ناتواں کا
 ہزار موجوں کی چوٹیاں گمشدہ مگر یہ دریا سے پار ہوگا
 چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغِ اپن کھلی کھلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھالے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی الکلیفیت ہے تیری تو پھر کے استبار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے اُن یہاں کے ازاد پایہ گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے حسن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے
 میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل بے حجب و حشر نظر بھی
 رہے کی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کارواں کو
 شرفشاں ہوگی آہ میری نفسِ عاشق بار ہوگا
 نہیں ہے غم سے راز نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اُن نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سدا گزار مٹھیا ستم کشِ منتظر ہوگا

خدمت سوم

(۱۹۰۸ء سے)



[illegible]

بلا و اسلام

سُرمیں آئی کی سجودِ دل غم دیدہ ہے دُستِ فتنے میں لہوِ اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اُجڑے فسطاں کی نہ پوئو نگرزیا خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمین
سوئے ہیں اس خالِ خیرِ سیلابِ مہ کے تاجدار نظمِ عالم کا راجہ جن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ نسل کی یاد
جل چکا حاصلِ مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

یہ زیارت گاہِ مسلم کہ جہاں آباد بھی اس کمرِ استقامتِ حق و اسے بے بندا بھی
یہ چین وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لالہ صحرارے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز
خالِ اس سبکی کی پوئو نگر نہ ہمدوشِ اہم جس نے دیکھے جانشینِ سیمیں کے قدم

جس نے غنچے تھے چینِ سامانِ گلشن سے یہی

کانپتا تھا جن کے روماء ان کا مدفن ہے یہی

ہے زمین قرطبہ بھی دیدہ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور
بجھ کے بزم ملت بیضا پریشاں کرتی
اور دیا تہذیب حاضر کا منہ زراں کرتی

قبر اس تہذیب کی یہ زمین پاک ہے

جس سے نالِ طشن یو پ کی گونم نال ہے

خطہ قسطنطنیہ یعنی قصبہ کا دیا
مہدی اُمت کی سطوت کا نشان پائدا
صوتِ خالِ حرم یہ سرزمین بھی پاک ہے
استانِ سدا کے شہرِ لولاک ہے
نکتہ کل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
ثربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سدا ملتِ اسلام کا دل ہے شہر

سیکڑوں صبیوں کی کشتِ نوح کا حاصل ہے شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابِ مصطفیٰ
دیدہ ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں است اس شہنشاہِ عظمیٰ کو ملی
جس کے ہن میں امانِ قوامِ عالم کو ملی
نامِ لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

اے شربِ دیسِ مسلم کا تو ماوا ہے تو نقطہ جاذبِ تاثیر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں ہر شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہِ بحرِ تجھ کو مالِ حسن کی کیا مل لیتی خبر تجھ کو؟

ستارے نور کے ٹٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہر اس فناء صورتِ شر تجھ کو؟

زمین سے فوڑیا آسمان نے گھر تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبائے زرتجھ کو

غصے سے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

چمکنے والے مسانے عجیب یہ بستی ہے جواج ایک کانپے دوسرے کی پستی ہے

اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولایتِ نمر فنا کی پسند میں زندگی کی مستی ہے

وداعِ غمِ چہر میں ہے از آفرینِ شریں گل عدمِ عدم ہے کہ آئینہِ درستی ہے!

سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے ملنے میں

دوستارے

اے جو قمر میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے
یہ وہ سالِ مدام ہو تو کیا خوب انجامِ حنہ ام ہو تو کیا خوب
تھوڑا سا جو سرِ بانِ فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو
لیکن یہ وہ سال کی قسمت پیغامِ منداق تھی سراپا
گردشِ تاروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مقدر

ہے خوابِ ثباتِ اشنائی

آئینِ جہاں کا ہے بُدائی

گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ ختمِ دیرینہ ہے کچھ عہدِ سببِ حسین ماہ کا آئینہ ہے
چاندنی بھگی ہے اس نظرِ خاموش میں صبحِ صبا تو سوہی سہرات کی اغوش میں

۱۷۲

باقی ہے در

۱۵۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی جھمی سی نواس ہے خاشی

باطن پر نورۂ عالم سرا پا درو ہے

اور حشاموشی لبِ بستی پہ آہستہ ہے

آہ! جولاں کا عالمِ غیر یعنی وہ حصار روشن پر اپنے اٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بار
زندگی سے تھا کبھی سبوابِ سنسان ہے یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سُگانِ نمن کی خال کا ولد ادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے سون سے ہالائے بزمِ آسمان ناطعِ عالم ہے نجمِ بزمِ بزمِ آسمان
خالِ بازویِ مسرتِ دنیا کا منہ پٹنہ ہے وہستانِ کامی انساں کی ہے زبر ہے
پے ازل سے یہ فرسوتے منزلِ خار ہا آسمان سے نعتِ لاہور کا تماشا بھیتا
گو سکون ممکن نہیں عالمِ مریخت کے لیے فتحِ خوانی کو ٹھیس ہے مہم بھر کے لیے

زنتِ آپِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں غمِ گشتِ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گے شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ ظلموں کا رادا

باقی ہے در
۱۵۹

ہے تو گورستانِ مریہ خالِ لڑوؤں پایہ ہے
اوہاں گزشتہ قسمتِ قوم کا سٹریہ ہے
مقبروں کی شانِ حیرتِ آفریں ہے اس قدر
جنہیں ششگاہوں سے ہے چشمِ تماشا کو حد

کیفیتِ ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں

جو اثر سکتی نہیں اتنی تہِ تختہ میں

سوئے ہیں خاموشیِ آبادی کچھ گاموں کے دور
مضطرب لکھتی تھی جن کو آرزوئے جہاں بود
قبر کی عظمت میں ہے اُن فہستابوں کی چھب
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جب کسی ترغاب
کیا یہی ہے اُن شہنشاہوں کی عظمت کا مال
جن کی تدبیرِ جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال
عجب فغویٰ ہو دنیا میں کہ شانِ قصیری
مل نہیں سکتی غنیمتِ موت کی پوشش کبھی

بادشاہوں کی بھی نشستِ عمر کا حاصل ہے گو

جادوِ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گو

شورشِ زخمِ بکریا غودلی تفتِ تریا
درمندانِ جہاں کا مالہ شبِ کیریا
عرصہ پہ کجکار میں ہنگامہ شمشیریا
خونِ گورمانے والے فوجِ کجکیریا

اب کوئی آوازِ سوسوں کو جگا سکتی نہیں

سینہ سوراخ میں جانِ فرت آسکتی نہیں

روح ہشت خال میں جست کش سداوے
کوچہ مرنے ہو جس دم نفس سداوے
زندگی انساں کی ہے ناست مرغ خوشنوا
شاخ پر ٹھیک لونی دم چھپایا اڑ گیا
اے! لیا آئے ریاض ہر میں ہم لیا لے
زندگی کی شاخ سے ٹھوٹے کھسے مر جھالے

موت ہر شاہ و لدا کے خواب کی تعبیر ہے

اس تم لمر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدا کنار
اور اس دے بے پایاں کی جو بس میں مینا
اے ہوسن خون کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا ستم خیر آتش سوا
چاند جو صہوت گریہی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قب مجھ نہ ام ناز ہے
چرخ بے نجم کی دہشت نال وسعت میں مگر
بیکسی اس کی لونی دیکھنے فراقت سحر

اں فرسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو بس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے عتبا
زلمتے فترت کی تصویر ہے ان کی ہسا
اس زیاں خانے میں کوئی ملت گروں وقا
رہ نہیں سکتی ابد تک بار ووشن روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولر جہاں
دیکھتا ہے عتسائی سے ہے منظر حبال

ایک صہوت پر نہیں سہا کسی شے کو قرا ذوق جدت سے ہے ترکیب پانچ روزگار

ہے ملکین دیر کی زینت ہمیشہ نام نو

ماورستی رہی استن اقوام نو

ہے ہزاروں قافلوں کے آتش نایہ لزر چشم کوہ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصر بابل بٹ گئے باقی نشان تک بھی یہ دفترستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

ادبایا ہر ایران کج اسل کی شام نے عظمت یونان و روم لوٹ لی ایام نے

آہ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں کے آبر آذاری اٹھا برسا گیا

ہے گل گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی کوئی سوج کی کرن بنم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ سوریٹھ ساعوں کے لیے گوارا ہے کس قدر پیارا لب جو مہر کا لطف ہے

محو زینت سے صنوبر جو بہار آئینہ ہے غنچہ گل کے لیے ماہ بہار آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئل باغ کے کاشانے میں چشم انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اور بیل مطب برنگیں نوائے طرستاں جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے طرستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے خامہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے طرستانِ ادوں کے ہیں واوی کٹسار میں نعرے شبانِ ادوں کے ہیں
زندگی سے یہ پرانا خالِ اس سوراہے موت میں بھی زندگانی کی تڑپ سوراہے
چٹیاں بھولوں کی گرتی ہیں اس میں اس طرح دستِ طفلِ خفستہ سے رنگیں کھلونے جس طرح

اس نشاطِ آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک غم یعنی غمِ ملتِ ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عہدِ فرستے سے خالی نہیں اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بامِ در گریہِ پیسہ سے بنی ہے ہماری چشمِ در
دہر کو دیتے ہیں موتی ویدہ لریاں کے ہم آخری بادل میں ال لڑے سوتے طوفان کے ہم
ہیں ابھی صندِ ہائے اس کی آغوش میں برق ابھی باقی ہے اس کے سینہ خاموش میں
واوی گلِ خالص کو بنا سکتا ہے خوابِ گنیمتِ بڑھپاں کو جگا سکتا ہے

ہو چکا کہ قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



نمود . صبح

ہو رہی ہے یزدانِ امانِ اُشُق سے آشکار
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ خیم سے سپر
 آسمان نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 شعلہ خورشید لویا حاصل اس کھیتی کا
 ہے و ان خیم خیرِ عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلع خورشید میں مضرب ہر یوں مضمونِ صبح
 ہے تیرا دامنِ بادِ خست لاطِ گیمِ صبح
 صبح یعنی خستہ دوشیزہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں جو ہے آفتاب تیسرے کا
 محلِ پروازِ شب باندہ حاسر دوشِ غبار
 بوسے تھے ہفتاں گروں کے جوتاؤں کے شرار
 سب سے پیچھے جانے کوئی عابدِ شبِ زندہ
 کھینچتا ہو میان کی غلٹ سے تیغِ آبِ وار
 جیسے خلوت گاہِ دنیا میں شرابِ خمیش کو
 شورشِ ناقوسِ آوازِ اذان سے ہمنار

جلے کوئل کی اذان کا تارِ نغمہ سنج

ہے ترنمِ ریزِ تانوںِ سحر کا تار



۱۸۰
 بانگِ درا
 ۱۶۲

تضمین بر شعر انسی شاملو

ہمیشہ صوبت باو سحر آوارہ رہتا ہوں
 دل بیتاب جا پہنچا دیار پیسہ بھر میں
 محبت میں کچھ منزل سے بھی شتر جاوہ پستی
 میسر ہے جہاں دمان دروہا شکیبائی
 ابھی ناشناختے لب تھا حرف آرزو میرا
 زبان ہونے کو تھی منت پذیر تائب گویائی
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پہنے والوں کو
 شکایت تجھ سے ہے اتنے ناک آئین آبائی
 ترا قیس کیونکر ہو گیا سوز و رن ٹھنڈا
 کہ لیلیٰ میں تو میرا بت تک ہی انداز لیلیائی
 نہ تجھ نہ لام الہ تیری زمین شور سے ٹھوٹا
 زمانے بھر میں سوا ہے تیری فطرت کی نازائی
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیسے
 گزشتی ساز معسوم نو اہائے کلیسانی
 ہوتی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری
 دل شوید ہے لیکن صنم خانے کا سوانائی

”وفا انہو خستی ازما بکار و گیراں خمی“

ربوومی کوہرے ازما نثار و گیراں خمی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیر سٹریٹ لارہ لاہور کے نام)

گوسرا کیا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر قرض کرتا ہے جبابِ زندگی ہے الم کا سُورہ بھی جزو کتابِ زندگی

ایک بھی تپتی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں
جو خزانِ ناویدہ ہو بیل وہ بیل ہی نہیں

ارتک کے خون سے نکلیں ہول کی دستاں نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ زلفاں
دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سعید ہے روح کو سامانِ بنیت آہ کا آئینہ ہے
حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرت کمال غار ہے آئینہ دل کے لیے لردِ ملا
غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب کے ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب کے
طائرِ دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے راز ہے انسان کا دل غمِ آشوبِ راز ہے

غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے
جو درِ بربطِ ہستی سے ہم غمِ خوش ہے

۱۸۲

بانگِ درا

۱۶۶

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
 جلوہ پیر جس کی شب میں شکرے کو لب نہیں
 جس کا جام دل شکستیم سے ہے آشنا
 جود مست شاربش عشق شربت ہی ما
 ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نوک خار سے
 عشق جس کا ہے خبر سے ہے سحر آزار سے
 کلفتیم اگرچہ اس روز شب سے دوسرے
 زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سحر ہے

اے کہ ظنم ہر کا اورا ہے حاصل تجھے

کیون آسان ہو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تہیہ عشق
 عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق
 عشق کے خورشید شام اجل شربت ہے
 عشق سوز زندگی ہے تاباں پائندہ ہے
 رخصت محسوس کا مقصد ہوتا اگر
 جوش الفت بھی ادا عشق سے کر جاتا سفر
 عشق کو محسوس کر کے مر جاتا نہیں
 روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی

زندگانی ہے ہم آشنایا محبوب کی

آتی ہے تہیہ حبیب کو سے گاتی ہوئی
 آسمان کے طایروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
 آتے روشن اس قاصد صوت بخار جو
 لڑکے ادوی کی چٹائی پر چڑھ جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کو ہر پیہ پیہ بن گئے
 یعنی اس اُفتاد سے پانی کے تارے بن گئے
 جوئے سیاب ان بھٹ کر پریشان ہو گئی
 مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
 ہجران قیظوں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
 دو قدم پھر پڑھی جو شل تارِ سیم ہے
 ایک صہیت میں ہے سہرا و ننگی
 گر کے رخت سے سچوم نوع انساں بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جداسوتے ہیں ہم

عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا سوتے نہیں
 یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا سوتے نہیں
 عقل بس دم و ہر کی آفات میں محصور ہو
 یا جوانی کی اندھیری ات میں ستور ہو
 دہن دل بن گیا ہو زخم کا خیمہ و شر
 راہ کی خلعت سے ہو شکل سو منہ نزل سفر
 خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشگیر
 فدا کر عجب جز ہو اور خاموش آواز ضمیر
 واوی ہستی میں کوئی ہم نہ تک بھی ہو
 جاوہ کھلانے کو جلتا کاش و شرک بھی ہو

مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں

جس طرح تارے چلتے ہیں اندھیری ات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ ست ناز گلشن میں جا سکتی ہے کلی کلی کی زباں سے دُعا نکلتی ہے

”الہی! پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کلی سے رشکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں از نیے نصیب ہے تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب ہے

اٹھاکے صدرِ رفقتِ وصال تک پہنچا تری حیات کا جو ہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ قصہِ حق میں حیرتِ اہل نظر مے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ عشق نہ ہوا کسی کے دہنِ نگین سے آشنا نہ ہوا

شکستہ لڑنے سے کی کبھی ہمدرد ہے

فسرہ دکھتے ہیں گلچیں کا منتظر ہے



ترانہ ملی

چین عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
توحید کی مانند سینوں میں ہے ہمارے
دنیا کے بت لڑوں میں پہلا وہ لکھنؤ کا
تینوں کے سلسلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں تجھ کو
اے موجِ جبل! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ لکے ہم
سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہان ہمارا
آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
تھمتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
سوار کر چکا ہے تو آتھماں ہمارا
تھاتیری ڈالیوں پر جب اشیاں ہمارا
اب تک ہے تیرا دیریا افسانہ خواں ہمارا
ہے خوں تری گلوں میں اب تک واں ہمارا
اس نام سے ہے باقی آراجم ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جہادِ پیما پھر کھڑواں ہمارا

۱۸۶

بانگ درا

۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصویکے)

اس دور میں کے اور نئے عالم اور ہے جسم اور
ساقی نے بنالی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تمسیر کیا اپنا جسم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہندوؤں میں اس کے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے ہندوہب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب فی ہے غارت گر کاشت اندین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام تراویس کے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفوی خال میں سبت کو ملا دے

ہو قیدِ ممتامی تو متحیر ہے تپاہی
ہے ترک وطن سنتِ محبوب لہی
رہ جسم میں آزاد وطن صورتِ ممتامی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کھچے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں محض ذوق خدا ہستی ہے اس سے

قومیت اسلام کی صبر کشی ہے اس سے

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیابان یعنی بجز خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار و شہ نہ رہن ہوئے
بچ گئے جو ہوئے بے دل سوئے بیت اللہ پھر
انس و انجس نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہر اب میں پاتی ہے اس نے زندگی
خنجر رہن اُسے گویا ہلال عید تھا
ہاتے شرب و دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باک نہ چل
بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا لیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا لیا

خوفِ جان کھتا نہیں کچھ دشتِ پیائے حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از
 گو سلامت محلِ شامی کی ہمراہی میں ہے
 عشق کی لذتِ مگر خطروں کی جان کا ہی ہے
 اہِ عیتِ زباں اندیش کیا چالا ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطعہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو رو کے لہہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملتِ ہمارے ہیں
 یہ زائرِ انجمنِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے نسا اشارے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیرے مسدوموں کو یہ اپنی عزتِ ہمارے ہیں
 نئے کا قبّہ ال کون ان کو یہ نجس ہی بدل گئی ہے
 نئے زمانے میں آپؐ کو پرانی باتیں سنارے ہیں

شکوہ

کیوں یاں کاربنوں سود فراموش ہوں فکر نہ کر انہ کروں محو غم و خوشی ہوں
نارِ بیل کے سنوں اور ہمہ تن گوش ہوں ہم نوائیں بھی کوئی گل ہوں گلِ خاموش ہوں
جُراتِ آمو زمری تاب سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاتم بدین ہے مجھ کو

ہے سب شیوہ تسلیم میں شہور ہیں ہم قصہ درو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے سہور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوہ اربابِ وفا بھی سن لے
خوارِ حم سے تھوڑا سا کلام بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تھی اسے قدیم پھول تھا زینہ پہ چہ نہ پریشان تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم بوئے گل بھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140
بانگ درا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی

ورنہ امت تیرے محبوت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے چہرے کہیں مسبو و شجر

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اُن دیکھے حند لولوینگر

تجہ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟

قوتِ بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی ایل چرسپین میں ایران میں ساسانی بھی

اسی سوسے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے

بات جو بڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہیں ایکے سے کراؤں میں خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افیتہ کے پتے چمے صحراؤں میں

شانِ انکھوں میں نہ جھتی تھی جہاں داروں کی

کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لٹ کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

مل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھ سے کس شمشیر کوئی تو بڑھ جاتے تھے
تیغ کیا چینی ہے ہم تو پے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زنجیر بھی یہیں پیام سنایا ہم نے

توہی کہو کہ اٹھاڑا درخیز کس نے
شہر قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے گغار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدہ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی
کس کی تجھ سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہو اللہ اُحد کہتے تھے

اُگیا عین لڑائی میں اگر وقت نہ ساز
قبلہ دھوکے میں بوسجی قومی حجاز
ایک ہی صف میں لکڑے ہوئے محمود ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
محفل کون و مکاں میں سحرِ شام بھی
مے توحید کو لے کر صفتِ جام بھی
کوہِ مین وشت میں لے کر تراپیام بھی
اور سلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھر
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے
بحرِ طلمات میں ڈرا دیے لھوٹے ہم نے

صفحہ و ہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انسانِ غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ طلع ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولدِ انہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں کس کا بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں کابل بھی ہیں خافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تے نام سے سزا بھی ہیں

رحمتیں ہیں می غیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان لے
ہے خوشی ان کو کہ سب کے نگہبان لے
منزل پر سے اونٹوں کے حدی خوان لے
اپنی بعلوں میں دباے سوئے آن لے

خند زن لفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے مسمور
نہیں محسن میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو بلیں خور و قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور

اب ہا الطاف نہیں ہم پر عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سہی رات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے ولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہو دوست ہو سیلی زوہ موج سرباب

طعن انخیار ہے رسوائی ہے ناوار می ہے

کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خوار می ہے

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوڑوں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید کے حرف الی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ زیب میں انام ہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے

تیری محفل بھی لہتی چاہنے والے بھی لہتے شب الی ہیں بھی لہتیں صبح کے نالے بھی لہتے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لہتے اکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لہتے

اے عشاق گئے وعدہ منڈلے کر

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبائے کر

درویشی بھی رہی قیس کا پہلو بھی رہی نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی رہی

عشق کا دل بھی رہی حسن کا جادو بھی رہی امت احمد مرسل بھی رہی تو بھی رہی

پھر یہ آزر دلی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پہ یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت گری پیشہ کیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟
 عشق کو، عشق کی آشتی سر کی چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجیر کی سینوں میں بی کھتے ہیں
 زندگی مثلِ بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر و ہوسل سی اد بھی نہ سی جاوہرِ پیائی تسلیمِ ضرب بھی نہ سی
 مضطربِ دل صفتِ قبلہ نہ بھی نہ سی اور پابندِ آئین نہ بھی نہ سی

کبھی ہم نے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
 بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جانی ہے

سرفراں یہ کیا دین کو کامل تو نے اک اشکِ میناروں کے لیے دل تو نے
 آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمیِ خسارِ محض تو نے

آج کیوں سینے پر شہِ آباد نہیں
 ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

واہیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیسِ دیوانہ نظارہٴ محفل نہ رہا
 حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ جڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آن روزگاری و بصد ناز آئی

بے حجابانہ سوتے محفل ناباز آئی

بادہ شش غیر پیش شش میں لب جُٹ بیٹھے سُنتے ہیں حجاب کم بخت نہ کہ کو بیٹھے

دُور ہنگامہ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ٹھو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروری دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عنان تاجِ بے پھر سوتے حجاز لے اڑا بس بے پرو کو مذاقِ پرواز

مضطربِ باغ کے سرِ غنچے میں سے نوتے نیا تو ذرا چھیر تو دے تشنہ مضرابِ بے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طوِ مضطرب ہے اُسی آل میں جلنے کے لیے

مشکدیں اُتستِ مرغوم کی آساں کر دے موبِ لایہ کو ہمدوشِ سلیمان کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کر دے ہند کے درِ شینوں کو مسلمان کر دے

جوتے خوں می چکد از حسرتِ دیرینہ ما

می تپد مالہ زبشتِ کدہ سینہ ما

نوائے گل لے گئی برون چمن از چمن کیا قیاس ہے کہ خود مچھول ہیں غماز چمن !
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پڑ از چمن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ ترغم ایک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم ایک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں پتیاں مچھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی نہیں
وہ پُرانی روشیں مانع کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں سپرین برگ کے غمیاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرما د اس کی

نطفِ مرنے میں سے باقی نہ مزا بیٹھنے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ بکر پیٹنے میں
کتنے بے تاب ہیں جو ہر کے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مے کے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے نہیں

چاک اس سبیل تنہا کی نوائے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ دُرائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی باوہِ دیرینہ کے پیسے دل ہوں

عجمنی سے کہ تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی سے کہ تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند حسن تیرا فطرت کی آبرو ہے
یہ داغ سا تجو کی گیسو میں ہے نمایاں
طوفِ حیم خالی تیرے قدمِ خم ہے
میں مضطرب زمین پر، بیتاب تو فلک پر
عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
تجھ کو بھی بستجو ہے مجھ کو بھی بستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی کھنسل وہی ہے تیری؟

جس کی طرف انہوں نے منزل وہی ہے تیری؟

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خامشی میں
استادہ ہنرمیں ہے ہنرے میں سوراہا ہے
پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
آب میں تجھے دکھاؤں رخسارِ روشن اس کا
بے عمل میں نغمہ زن ہے خاموش ہے کلی میں
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشت و دریاں کسار میں وہی ہے

انساں کے دل میں تیرے رخسار میں وہی ہے

رات اور شاعر

(۱)
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
خاموشی صورت گلِ نازِ نورِ پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
پھل ہے کوئی میرے دے ریتے نور کی تو
یا تو مری جس میں کا تارا لرا ہوا ہے
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا رہا ہے
خاموشی ہو گیا ہے تارِ رہا ہے پستی
ہے میرے آئنے میں تصویرِ خواہ پستی
دریا کی تہ میں چشمِ لڑا ہے بولتی ہے
حل ہے کما کے موج بیتا ہے سو گئی ہے
بستی میں کی کیسی ہنگامہ فریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آباد نہیں ہیں ہے

شعرا کا دل ہے لیکن نا آشنا کون سے
ازاد رہ گیا تو کیونکر مے فسون سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی لہریں میں نہیں بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں کے مانند سحرِ روتا ہوں

۲۰۰
بانٹا ہے رات
۱۸۲

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو نہاں ہے سناؤں کس کو
 برق امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مُردہ ہے محفلِ میری
 عزتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھائوں کس کو
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لہساں روتی ہے
 آواز اے ات بڑی فوری ہے نزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت کے لہجہ سہرا تا ہوں
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

نغمہ

سُوج نے جاتے جاتے شامِ قیام کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفتاب کے کر لائے کے پھول مارے
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اُتارے
 چمکے عروسِ شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 کھتا ہے جن کو نساں اپنی زباں میں تارے
 محلِ میں حاشی کے لیلۂ ظلمت آتی
 وہ دُور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے

مخوفانہ مری تھی اس بن ملک کی

عرشہ میں سے آئی اوزار ملک کی

اے شے کے پاس نہ اے آسمان کے تارو! تابندہ قوم ساری کڑوں شیں تمھاری

چھٹروں و سو دایا خیال انھیں سونے والے رہبر تھے قافلوں کی تاجبیں تمھاری

ایسے قسموں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید سنیں صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے

وسعت تھی آسمان کی مہمور اس نواسے

حسنِ ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں جس طرح عکس گل پہ شبنم کی آرسی میں

اتین نو سے ڈرنا طس سبز کھن پہ اڑنا منزل یہی کھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروان ہستی ہے تہہ سبز گام ایسا قومیں چل لیتی ہیں بس کی واوی میں

انکھوں سے ہیں ساری غائب ہزاروں خیم داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں

اک عسمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذبِ باہمی سے قائم لطفِ نام سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم سہ میرا آسماں پر چوگا کز میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جانے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزو سے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پسند ریز طوبیٰ بے حجب بانہ خور جلوہ فروش
ساقیانِ بیل جام بدست پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو جہت کے آنکھ نے بھیجا ایک تار یک خانہ ہر دو جسموش
طالعِ قیس کیسے کیسے لیلیٰ اُس کی تار کیوں سے پوشش پوش
خُنگِ ایسا کہ جس کے شاگرد کردہ زمرہ سر پر چوڑو پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

یہ ست نامِ حجابِ تم ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے جن سے لڑاں ہیں مڑ عبرتِ کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انگار ساتھ لائے ہیں

نصیحت

میں نے اقبال سے ازراہ نصیحت یہاں
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل
جھوٹ بھی مصلحتِ امیر نہ ترا ہو تاہ
ختمِ تفتیر تری مدحِ سیکار یہ ہے
درِ حکام بھی ہے تجھ کو مستِ دمِ محمود
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے
نظرِ اجالتے مسجد میں بھی توحید کے دن
دستِ پر درتے ملک کے اخبار بھی ہیں

حاملِ روزہ ہے تو اور نہ پاسِ نہ نما
دل میں لندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجا
تیرا اندازِ تسلیق بھی سراپا اعبا
فکرِ روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا
پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایا
پردہِ خدمتِ دین میں ہو جس جاہِ کارا
اثرِ وعظ سے جوتی ہے طبیعت بھی لہا
چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سا

۲۰۲۲

بانگِ درا

۱۸۸

اس پر طر ہے کہ تو شعر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینے سخن میں ہے شراب شیرا
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں بھی
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شرک تک و تان
غمِ سیاه نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر اُ

”حاقبت منزلِ ماوادی خاموشان است
حالیٰ غلغله در کنبہٴ کمال اندا“

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جاگ رہند
سب سنی ہیں خطہٴ مغرب کے رام رہند
یہ ہند یوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفت میں آسماں سے بھی اونچا ہے رام رہند
اس دس میں جوتے ہیں نزاروں ملکِ شرت
مشور جن کے م سے ہے دنیا میں نام رہند
ہے ام کے جو وہ ہندوستان کو نماز
اہلِ نطنہ سمجھتے ہیں اس کو امام رہند
اعجازِ انس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام رہند

تلوار کا وحشی تھا شجاعت میں فروم تھا
پالیزلی میں جوشِ محبت میں فروم تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کل کہی
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 ہنگامہ آفسرین نہیں اس کا خرام نا
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے جاوہ حیات میں ہر تیز پا خموش
 ہے پاشکستہ شیو فرادی سے جس
 نکست کا کارواں ہے ہشال صبا خموش
 مینا دام شورش قلعش سے پابہل
 لیکن مزاج جہاں ام آشنا خموش
 شاعر کے فکر کو پرواز حشاشی
 سطر یہ وار لرمی آواز حشاشی

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ نازبا
 محروم عمل نرس مجبور تماشا ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماشا ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سر لرم تقاضا ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہونٹم
 یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہو احسا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سمیت چمنستان کی

یہ ہستی وانا ہے بیسنا ہے تو انا ہے

خطابہ جوانان اسلام

کبھی اے جوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے اغوشِ محبت میں
 تمدنِ انسرین حلقِ امانِ جہانِ داری
 سمانِ شرفِ فخری کا رہا شانِ امارت میں
 گدائی میں بھی اللہ والے تھے غمور اتنے
 غرض میں کیا کہوں تجھے کہ صحرائیں کھاتے
 اگرچہ ہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دو
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنوا دہی سے جو اسلام کی میراث پاتی تھی
 حکومت کا تو کیا زمانہ ال عارضی ہے تھی
 مگر وہ علم کے موتی کست ہیں ابابا کی
 ”غنی روزیہ کفریہ“ ان تماشائیں

وہ لیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کے پاؤں میں تاجِ سردارا
 وہ صحرائے عرب یعنی شترانوں کا گھوڑا
 ”بات نہ خال خطِ حاجت نے سبارا“
 کہ ستم کو لدا کے ڈنکے شش کا نہ تھا یارا
 جہاں جہاں وہاں جہاں مان و جہاں آرا
 مگر تیرے تخیلِ فنیوں سے وہ نظارا
 کہ تو کلفتِ روہ کو از ثوابت وہ سبارا
 شریک سے میں بچ آسمان نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم کے کوئی چار
 جو یسیرانِ یوہ میں تو دل سوتا ہے سیار
 کہ نویدِ اشرارِ شن لند چشمِ زلیخارا

غزوة شوال

یا

ملالِ عید

غزوة شوال! اے نورنگاہِ روزہ دار
 تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
 اگر تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
 شامِ تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تہیہ ہے
 اے مہِ نو باہم کو تجھ سے اُلفتِ یرینہ ہے
 سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
 دشمنوں کے خون سے نگینِ قیامت تھے ہم
 جس علم کے سائے میں تیغِ آزماہوتے تھے ہم
 حُسنِ روزافروں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
 تیری قسمت میں ہم غوثی اُسی ایت کی ہے
 ہے محبتِ خیز یہ پیرِ ابنِ سیمیں ترا
 آشنا پر ہے قومِ اپنی وفا آئیں ترا

اوجِ لڑوؤں سے فرادنیاء کی بستی دکھیلے
 اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دکھیلے!

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برقِ فتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو افقِ پریم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں میں یہی سلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشتہ تبسّمِ شیخ
 کافروں کی سلمِ آئینی کا بھی طشاور
 بارشِ گناہِ اوش کا تماشائی بھی ہو
 ہاں تعلقِ پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا
 ساڑھنِ عشرت کی صہدِ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

رہِ مردماندہ کی منزل سے سیزاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغرِ ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
 بت لے مین بہمن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی سلمِ ازاری بھی دیکھ
 امتِ محمدیہ کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے آبرو تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریفِ بے زباں کی گرمِ نفاری بھی دیکھ
 اور ایران میں ماتم کی تیاری بھی دیکھ
 سادگیِ مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صوّتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
 شورِ شہِ امروز میں مجھ سُرودِ دوش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
گیوے تو از پر پروانہ وار و شانہ اے
وہجہاں مثل چراغ لالہ صحرایم
نے نصیب محفل نے قسمت کا شانہ اے
ماتے مانند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ اے
میں تپد صد جلوہ در جان امل و سرور من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ اے

۲۱۰

بانگ درا

۱۹۲

از کجبا این آتش عالم سوزاند و حتی
کرکاب بے مایہ را سوز کلمیم اوستی

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل
لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
تو سوزاں ہے کہ پروانوں کو چوسا ترا
گر یہ سماں میں کہ سیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیم آفتاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھٹکتا نہیں
شعلہ ہے پشیل چراغِ لالہ صحرایا ترا

سوچ تو دل میں، لعقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ ملت اور ہے
 زشتِ رُوفی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سو اتنی بت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں تری محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرائے ترا، محل ہے بے لیدا ترا
 اے دریا بند! اے پروردہ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تُو وعدہ دیدارِ عم آیا تو کیا

۲۱۲

بانگِ درا

۱۹۶

انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آسام اٹھ گئے
 ساقیاء محفل میں تُو آتش بجام آیا تو کیا
 آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا
 مجھ کیسے وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پرواز تھا
 اب کوئی سوداائی سوزِ تمام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہ الفت میں جب ان کو پرست تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تبیح کے دانے رہے

شوق ہے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ نرانی ہے
 وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ پرانی ہے
 خیرِ ثوابی سہی لیکن پلائے گا کسے
 اب نہ وہ کس ہے باقی نہ مینا ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا سے
 کل تک گردش میں جس ساقی کے پیانے ہے
 آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پوچھیں
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے ہے
 وائے ناکامی! مستراحِ کارواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساں زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی
 شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن چکی ہیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے چوئی
 وہ سازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہوئیں
 خود تجلی کو مستِ اجن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمیدِ نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں
 وسعتِ لرزوں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سونہ
 بجلیاں آسودہ دامنِ حشر میں ہو گئیں
 دیدہٴ نخبِ بار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پریم سے نگاہیں گل بہ دامنِ ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبرِ بدیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظرِ آئی کرنِ اُمید کی

مژدہ لے پیانہ برادرِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نعتِ خود داری بہلے باوۂ غیاہی
 پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما یانِ ہند
 پھر سلیمی کی نطنزدیتی ہے پیغامِ خروش
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز
 دل کے سنگام سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نغمہ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ خاموشی نہیں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 در عنیم و گیر بسوز و دلیراں را ہم بسوز
 نفست ووشن حدیثے کرتوانی وار گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ مجزوسیہ از پیغمبری
 ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پینامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا

بحرِ مہمت صحرا میں تو، ٹمٹمن میں شل جو ہوا

اپنی اہلیت یہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ

زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادیِ سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکِ ستر پروانہ کر
 تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
 عین دریا میں حبابِ آسانگوں پیمانہ کر
 کیفیتِ باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتذر نے ملایا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر
 ہاں، اسی شبنمِ کُن پر پھر بنائے اَشیاں
 اہلِ کُشتن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

اس چمن میں سپر و بھیل ہو یا تمسکِ نخل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپیدانہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رَمِ شبنم ہے تُو
 لبِ کشا ہو جا، سرودِ بریطِ عالم ہے تُو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہو لے دھتار ذرا
 دانہ تو بھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تُو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تُو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناختہ تو، بحرِ توبہ شستی بھی تو، ساحل بھی تُو
 دیکھ اگر کوچِ چالِ گریباں میں کبھی
 قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تُو
 وائے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاک غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عارتِ کرباں بھی تو
 بے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام سے
 تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تو
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ ہے تیرا میں اُس کے پیامِ ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفسد
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب ملکِ شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہیاں بھی ہیں؟

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر لیا
 ورنہ کاشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفسیر میں
 کسوت بینا میں سے مستور بھی، عریاں بھی ہے
 ٹھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
 اور میری زندگانی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہ تفتید میرے دل کے آئینے میں دیکھ!
 آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمت رات کی سیما پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باوہر
 نکمت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکاں چین سے سینہ چاک
 بزم گل کی نفیس باو صبا ہو جائے گی

۲۲۱
 بانگ درا
 ۲۰۵

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درو آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیرِ پیر ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا پینامِ سجد
 پھر تبیں خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سا ماں سیور
 خونِ چپیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیل سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کریمیاں ہولی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمۂ توحید سے



مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
سینہ سوزاں ترافن یاد سے معمور ہے
نغمہ تہیہ تیری بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
گوش آوازِ سرورِ قدرت کا جو یا ترا
اور دل پسندہ حاضری بے پروا ترا
قصہ گل ہم نہ ایمان چسپن سنتے نہیں
اہل محفل تیرا سینہ ہم اُن سنتے نہیں
اے درائے کاروانِ جنت پا با خاموش رہ
ہے بہت یاسِ کفر تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر وہ محفلِ برینہ ہو سکتی نہیں
شمعِ روشن شبِ شینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں توحید کا حال ہوں میں
اس صداقت پر زلِ شے پر عالم ہوں میں
نبضِ حیات میں پیدائشِ حیات اس کے ہے
اور علم کے تختِ حیات اس کے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
وہر مرغِ غارت کربل پرستی میں ہوا
حق تو یہ ہے حافظِ ناموس پرستی میں ہوا

میری ہستی پیر غنچ سیرانی عالم کی ہے
 قسمت عالم کا سلم کو لب تابندہ ہے
 اشکارا ہیں میری آنکھوں چ اسرار حیات
 کتب اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد یہ سار روزگار
 ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد کُن ہستایوں میں
 یا عہد فرست میری خال کو اسیر ہے
 میرے سر جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسون بھر شر مند ہے
 کہ نہیں سکتے مجھے نومید دیکھار حیات
 ہے بھر سا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
 فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار
 اہل محفل سے پرانی ہستیاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دوش نشاط افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ اکرم ﷺ میں

گراں جو مجھ پر ہنس گامہ زمانہ ہوا
 قیو و شام و سحر میں بر تو کی لہین
 جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
 لطف اکرم کست در عالم سے آستانہ ہوا

فرشتے برہم رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے علیؑ بیباک حجاز! کھلی کھلی ہے تری لڑمی نو اسے گداز

ہمیشہ سرخوش رہا ہم ولایت تیرا فتادلی ہے غمی تیرا ہجو دنیا

اڑا جو پستی دنیا سے تھوڑے لڑوں سکھائی تجھ کو ملائکہ نے رعبِ پروا

نکل کے باغِ جہاں سے گنبدِ نبو آیا

ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

”حضور! دہریہ میں اسوہ کی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یاغریہ ہستی میں وفا کی بس میں جو ہو وہ کھلی نہیں ملتی

گھر میں نہ رکھو الٰہ آجیسنہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے ہی امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں“



شفا خانہ حجاز

اک پیشوائے قوم نے قہرِ سال کے کھما
کھلنے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
ہوتا ہے ہر خیال کا ہر فرقے و فتنہ
سُناتا ہے تو کسی سے جو فسانہ حجاز
دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف
شہورِ توجہ اس میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا والی الطحا میں چلیے

نبضِ مریضِ خیرِ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں حیات
پوشید جس طرح ہے حقیقتِ مجاز میں
تمنا ہے اجل میں جعاشق کو مل گیا
پایانہ خضر نے عمرِ سرِ راز میں
اوروں کو دیں حضورِ اسی پیامِ زندگی
میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درویش اسے کام کیا



۲۲۶
بانگِ سے را
۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پر از مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑو چکر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ کرو سرشن چالال مرا

آسماں چیریا مارے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سن کے کہیں ہے کوئی بولے سیکے سرِ عرش میں ہے کوئی
چاند کتا تھا نہیں اہل زمین ہے کوئی لکشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شتروں کو بھی تیر کر یہ وار ہے کیا عشرِ ولوں پہ کھنکھاتا نہیں یہ وار ہے کیا
تسہ عشر بھی اس کی تک و تازہ ہے کیا آگنی خال کی چٹکی کو بھی روار ہے کیا

غافل آداب کے تکان نہیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کدیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اُتار دے بھی برہم
عالمِ نفیس کے دانے نہ ہو کلم ہے

نہ ہے طقتِ نفستار یہ نفلِ نور
بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اُنی آوازِ عنانِ کیم ہے ز افسانہ ترا
اسماں کی ہوائِ فہرستانہ ترا

شکرِ شکر کوئی حسنِ اداسے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خاکِ تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
تربیتِ عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں

راہِ و کھلا میں لئے رہے منزل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نہی دیتے ہیں

اُمّتی باعثِ رسوائیِ مغیبِ ہر میں

بُتِ شُکُن اٹھ لئے باقی جو ہے بُت لڑ ہیں

تھا جس کا نام پیر اور پیر آذر میں

بادہ اشام تے بادہ نیاشم بھی تے

حرمِ نبیؐ بھئی نہ تھم بھی نہ

وہ بھی نہ تھے کہ یہی مایہ عرس آئی تھا
جو سلمان تھا اللہ کا سوا آئی تھا

نازش میں سیم گل لالہ صحرائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی حرب آئی تھا

جو سلمان تھا اللہ کا سوا ہی تھا

کبھی محبوب تمہارا یہی حربہ آتی تھا

کسی کھجستانی سے اب عہدِ خلاصی کرلو

ملت احمد مرسل کو صفت امی کر لو

کس قدر تم یہ گھر اس طرح کی بیداری ہے
 ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں ساری ہے

طبع آزاد و قیید رمضان بھاری ہے
 تمہی کہہ دے یہی آمین و نساواری ہے؟

طبع از او قیید رمضان محرابی ہے

ہم سے کب سارے ہاں منید تمہیں ساری ہے

تمھی کہہ دے یہی آمین و فداواری ہے؟

قوم مذہب کے لئے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذب یا ہم جوہر میں محفلِ اہم بھی نہیں

جن کو آسمان نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں بس قوم کو پروانے شین تم ہو

بجلیاں بس میں ہیں اسٹوڈنٹ وہ خرم تم ہو
بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے مدفن تم ہو

جن کو آستانہیں دنیا میں کوئی فتح ہو

نہیں بقوم کو پروائے شمسین، تم ہو

بیچ لھاتے ہیں اسلاف کے مدفن، تم ہو

ہونکو نام جو بسٹریں کی تجارت کے
 کیا نہ چوگے جو مل جائیں صہم شہ کے
 صفحہ ہر طرہ کی مٹایا کس؟ نوع انسان کو عن لای چھڑایا کس؟
 میرے کو جہینوں بسایا کس؟ میرے شہر کو زمینوں لکھایا کس؟
 تھے تو ابا و تمھارے ہی مگر تم لیا

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا اب سب کہاں ہے فقط وعدہ
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
 عدل ہے فاطمہ سب سے ازل سے دستور
 تم میں محروم کا کوئی چنے والا نہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سکا بنی دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شہر ان بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی سوتے جو مسلمان بھی ایک
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین فائیں ہیں
 کیا زمانے میں پہننے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سما یہ شے سارِ اغیار؟ ہولنی بس کی نڈھال نہ سلف سے بیزار؟

قلب میں سو زہنیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں باس نہیں

جاکے جوتے ہیں مساجد میں صفا آوازِ تو غریب زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یہ تباہی الکر کوئی ہمارا تو غریب پردہ کھلتا ہے الکر کوئی تمہارا تو غریب

اُمراۃِ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضیا غریبا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ نچستہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ ستالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلختینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخِ خفاں ہیں کئی نمازی نہ ہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ ہے

شوہرے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تجھے بھی کہیں سلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرماؤں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دعوتِ یرتھی سلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ سلم تھا حیاتِ نیک نال
تھا شجاعت میں وہ اک سستی فوق الادراک

خود لدا زمی نیم لفظیتِ صہبائش ہو

خالی از خویش شن صوتِ مینائش ہو

ہر مسلمانِ گلِ طبل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینہ سستی میں عملِ جہر تھا

جوجبُ رسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
تھے تھیں موت کا ڈر اُس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مستِ ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو، یہ اندازِ مسلمان ہے

حیدرِ فقی ہے ہر نئے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ عثمانی ہے

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے مارِ شراں ہو کر

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
چلتے سب ہیں کہ ہوں اوج شریا پہ مستم
تم خطا کار و خطا ہیں وہ خطا پوش و کریم
پہلے دیا کوئی سپہ اتو کرے قلم سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریر کے بھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت ہے بھی

خود کشی شیعہ تمھارا، وہ غیو و خود ا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پھنفتا سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو مہل کو، وہ ہستیاں بہ کنا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقت اُن کی

مثلِ نخلِ بزمِ افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ شمعین بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں بھین بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جو اُن دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر شک سے آزاد کیا

لا کے کعبے صحنِ خانے میں آباد کیا

قینِ حمت کش تنہا کی صحرا نہ رہے
شہر کی لکھائے ہو اباد یہ پیکانے

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں ہے دیانہ رہا
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رہا

گلہ جو رہے ہو، شکوہ بیدار نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نوبرق ہے آتشِ زینِ ہر خرم ہے
امین اس کوئی صحرانہ کوئی گلشن ہے

اس نئی آگ کا تو ام نہیں ایندھن ہے
فلتِ جستمِ رسلِ شعلہ بیدار ہے

آج بھی ہو جو براہِ شیم کا ایماں پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر زنا پس چہ نہ پریشاں مالی
کو کٹبِ پنجہ شے شاخیں ہیں کھینے والی

خونِ خاشاک سے ہوتا ہے گستاں خالی
گلِ برانداز ہے غمِ شبنمِ دالِ لالی

زنگِ دروں کا ذرا دیکھ تو غمتِ بلی ہے

یہ بکلتے ہوتے سوج کی آتشِ تابلی ہے

اُمتیں گلشنِ ہستی میں تھرچید بھی ہیں
اور مہمِ تھر بھی ہیں خزانِ مد بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے بروند می کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چینِ مد می کا

پاک کے کرو وطن سے سزا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہ ہر مصرعے کنگاں تیرا
 قافلہ ہونہ کے کا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانہ درالچہ نہیں ساماں تیرا
 نخل شمع استی و شعلہ و ویریشہ تو

عاقبت سوز بوسہ اندیشہ تو

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے نشہ کے کو تعلق نہیں پینے سے
 ہے عیاں پوشش تار کے افلاں سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگام بہ پاپوشن بلغاری کا خافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے اشار کا، خود داری کا
 کیوں ہراساں ہے پھیل فرس اعدا سے
 نور حق بچھونہ کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی نسل سہی کو ضرورت تیری
 زندہ رہتی ہے زمانے کو حرارت تیری کو کب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کام بھی باقی ہے

نورِ وحید کا اسم بھی باقی ہے

شلِ بوقیہ سے غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بروشن ہو جائے چمنستان ہو جا

ہے تنک مایہ تو درے سے بیابان ہو جا
نغمۂ موج سے ہنگامِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر سب کو بالا کروے

دہر میں اسمِ مستند سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ پھول تو بے بل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی میں آئدہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کھسار میں میدان میں ہے
بھر میں موج کی آنکھوں میں طوفان میں ہے

چین کے شہزادے کی بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطِ ارہ ابد تک دیکھے

رفتِ شانِ رفعتِ ملکِ فلک دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی ونب وہ تھکے شہر اپلے لئے والی ونب
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی ونب عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی ونب

تیش اندوز ہے اس نام سے پائے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تلے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مرے درویش خدافت ہے جہانگیر تری
ماروی اللہ کے لیے ال ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے فنا تو نے تو ہم سے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم سے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مرزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تھام لے ساقی
جوابہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بقاتے دوام لے ساقی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ شری میں ہی
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعرا عشرتی)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے کل جاتی ہے فراد بھی سقا
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
لکھریں پڑیئے شیریں تو ہوئی جلد وہ نما لے کے آتی ہے مگر مشیہ فراد بھی ساتھ

”تحسینِ ملکِ بلفِ ارم و بکارِ یم ز نو
کانکشتہ تسم ز خجالت نتوان کرد و“

قربِ سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا لگا لگا کر ہوشاہ کا ہمدوش
جہاں میں عیاج پرستی ہے بندگی کا مال رضائے خواجہ طلب کن قباے رنگیں پوش
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پڑائے طرزِ عمل میں ہزار شکل ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں ریکے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوٹن حیات
 گھر خوش پائل ہے تو تو بسم اللہ
 شراب بزمِ اسیر وزیرِ سلطان ہو
 پیامِ مرشد شیراز بھی مگر سن لے
 کہ ہے یہ ستر نہاں خانہ ضمیرِ سرورِوش

”محلِ نورِ تجلی ستارے انور شاہ
 چو بے اوطلسی صحنے نیتِ کوش“

شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سائے
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہارے
 مستیِ مہرامِ کاسِ سن تو دراپسِ تم
 زندہ وہی ہے کامِ کچھ جس کو نہیں قرارے
 پھرتی ہے ادویوں میں کیا دخترِ خوش خرامِ بر
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہٴ مرغزارے

جامِ شرابِ جوئے خمی سے اڑاتی ہے
 پست بلند لر کے طے لھیتوں جا پلاتی ہے

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے گھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مرغِ زندگی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اُس کی قوم جیسا پناہ شعار ازری
اہلِ زمیں کو نوحہ زندگی دوام ہے
خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوئے سے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو مٹی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویدِ صبح

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگِ کار و دہنِ سحر
منزلِ سستی سے کرجاتی ہے خاموشی سفر
مخفی قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چھپاتے ہیں پرے پاکے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر نہ آتا بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، کرمِ تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیامِ شلِ آفتاب
دامنِ لڑوؤں کا پیدا ہوں یہ مرغِ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر کون کا پھر سو سر گرم ستیز
 پھر کھاتا ریلی باطل کو اداس گمیز
 تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
 اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے
 ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے
 اے دل کون مکاں کے راز مضمر فاش ہے

دعا

یارب اول سلم کو وہ زندہ متنا
 پھر ادوی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا
 محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا
 بھٹکے ہوئے انہو کو پھر سوتے حرم لے چل
 پیدا دل ریاں میں پھر شورشِ محشر کر
 اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
 رفعت میں مقاصد کو ہمہ دوشِ شریا کر
 بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
 جو قلب کو لڑائی جو روح کو تڑپا دے
 پھر شوق تماشا کے پھر فوق تقاضا دے
 دیکھا ہے جو کچھ میں اوروں کو بھی لکھا دے
 اس شہر کے خول کو پھر وسعتِ صحرا دے
 اس محسوسِ خالی کو پھر شہا پہ لیا دے
 وہ داغِ محبت ہے جو چاند کو شرما دے
 خود ادوی حاصل دے آزادی دریا دے
 سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کراہم مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بے مل نالائچوں اک اُٹھ گھٹاں کا

تاثیر کا سال ہوں محنت کج کو داتا کے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برک زرو کہتا تھا
کیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں

نہ پامال کریں مجھ کو زائرانِ چمن
انھی کی شلخ نشین کی یادگار ہوں میں

ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
چمن میں آگے سرِ اُغسٹیم ہار ہوں میں

خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی لہو نلکر سو لو ار ہوں میں

اُجاڑ ہو گئے عہدِ کُنن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شمس و سرت پہن سنا تم ہے

ہلالِ عید ہماری سنسی اڑاتا ہے



فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خال کا معصوم ہے
یہ سعادت جو صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جسارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ جلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ایسی چنکاری بھی ماریب اپنی خالِ سر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اُٹھو ابھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی عابدہ ہیں!

فاطمہ! گوشہٴ افسانِ کلمہ تیرے غم میں ہے نغمہٴ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے
قص تیری خال کا لکنا شامِ انگیز ہے ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی سنگِ تیرے شربتِ خاموش میں پل ہی ہے ایک قومِ تازہ اس انگوشت میں
بے خبر ہوں چپان کی دستِ مقصد کے میں آفرینش دیکھتا ہوں اُن کی اس مرقعے میں

تازہ بخم فضاں آسمان میں کھلو
دید انسان کا محکم کجی کی موج نور

جو ابھی ابھی سے ظلمت خانہ آیام سے
جن کی ضو نا آشنا ہے قید صبح و شام سے

جن کی تابانی میں انداز نہیں بھی تو بھی ہے

اور یہ کہ کتبت سیر کا پرتو بھی ہے

شبم اور ستارے

اے ات یہ کہنے لگے شبم سے ستارے
ہر صبح نئے تہجے کو میسر ہیں نظارے

کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چلی ہے
جو بن کے مٹے ان کے نشان دیکھ چلی ہے

زہر نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے

کہ ہم سے بھی اس لشور پوش کا فناء

گاتا ہے سحر جس کی محبت کا ترانہ

اے تار و نہ چھو چھو پستان جہاں کی
گلشن نہیں ال بستی ہے وہ آہ و فغاں کی

اتنی چھبواں سچکٹ جانے کی حطر
بے چاری کلی کھلتی ہے مڑ جانے کی حطر

کیا تم سے کہوں کیا چین منور زلی ہے
نتھاسا کوئی شعلہ بے سوز کلی ہے

گل نالہ بیل کی صدا سن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوار زیرِ گرفتارِ غضب ہے
 رہتی ہے سدا نرگسِ بیار کی تر آنکھ
 دل سوختہ گرمیِ شریعہ ششاد
 تارے شرِ آہ ہیں اس کی زبان میں
 نادانی ہے یہ لہرِ زمیں طوفِ قمر کا
 وہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 اکتے ہیں تیرے سایہ گلِ خارِ غضب ہے
 دل طالبِ نعتِ روئے محرومِ نظرِ آنکھ
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد
 میں لریہ لڑوچ جوں گلستاں کی زبان میں
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغِ جلر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑ لیتی
 لہرِ صلیب لڑو تیر حلقہ زن ہوتی
 مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوتے تمام
 آخر مہرِ عسکرِ ترکی کے حکم سے
 حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 شکر می حصہ دارِ ورنہ میں محصور ہو گیا
 رُوئے امید آنکھ سے ستور ہو گیا
 آئینِ جنگ شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوتی ذخیرہ لشکر میں منتقل
 شاہیں گداہے دانہ عصفور ہو گیا
 لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
 کر ماکے مثل صاعقت تہ طور ہو گیا
 'ذوقی کا مال شکرِ سلم یہ ہے حرام'
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

غلام قادر رحیم سیلہ

رہیہ قسطنطنیہ عالم جفا جو، لینہ پور تھا
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے
 دیا اہل حرم کو قص کا فرماں ستم کرنے
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آتما محشر سے
 بھلا سیل اس فرمانِ غیرت کُش کی ممکن تھی
 شہنشاہی حرم کی نازِ میانِ سمن سے
 بنایا آہِ سامانِ طرب بیدار نے ان کو
 نہاں تھا حسنِ جن کا چشم مہرِ ماہِ اختر سے
 لڑتے تھے دلِ نازکِ قدم مجبورِ خنیش تھے
 رواں دریائے خونِ شہزادیوں کے دیکھتے تھے
 یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں ہیں اس کی
 کیا لکھبر کے پھر آزاد سر کو بازِ ہنسنے سے
 کمرے اٹھ کے تیغِ جاں آستانِ آتشِ فشاں لھولی
 سبق آموزِ تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے

۲۳۶
 بانگِ درا
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پسہ کچھ سوچ کر لیٹا
 بجھاتے خواب کے پانی نے اگلے اس کی آنکھوں کے
 تقاضا کر رہی تھی منید کو یا چشمِ احمر سے
 نظر شرارتی ظالم کی درو آئینہ منظر سے
 پھر اٹھا اور تیسویں حرم سے یوں لگا کہنے
 مرا مندر پہ سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حجت نام ہے جس کا لکھی تمیر لکھ سے

ایک مکالمہ

اک مرغ سہانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 کہ تو ہے ہوا کیسے تو ہوں میں بھی ہوا کی
 پرواز خصوصیت ہر صاحب پر ہے
 مجروح حمیت جہ ہوتی مرغ ہوا کی
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز!
 ازاد اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفتار
 کیوں رہتے ہیں مرغِ ان ہوا مائل بندار؟
 یوں کہنے لگا سن کے یہ لفٹارول آزاد
 حد ہے تری پرواز کی لیکن سر پرواز

واقف نہیں تو بہت مرغان ہوا سے تو خال شہین انھیں فُوس سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بختی

ماور صد روانہ بہ نجم زدہ منقار

میں اور تو

مذاق ویدے نا آشت ناظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی راز وان پھر کیا

رہین شکوۂ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے چین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلاکے کیا تجھ کو آشیان پھر کیا

فزون ہے سود سے سرائیہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہان ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدم چشما تو ان شدم چشہ

چنین شدم چشما چنان شدم چشہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار ست

تو لہ بہار شدی ما خزاں شدم چشہ

۲۲۸

ہاگہ سے در

۲۳۲

تضمین بر شعر ابوطالب کلیم

خوبے تجھ کو شعار صاحب شیرت کا پس
کہہ ہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
جس کے تیرے حلقہ خاتم میں دوں تھا اسیر
اے سلیمان تیری غفلت نے لٹوایا وہ نگہیں
وہ نشان سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
ہو گئی ہے اُس سے اب آتشنا تیری جہیں
دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفریں
تیرے آبا کی زبہ بھلی تھی جس کے واسطے
غافل اپنے اشیاء کے پھر آباد کر
ہے ہی باطل تیرے کاشانہ دل میں مکھیں
نغمہ زن ہے طور حسن پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایہ شدن
شعلہ ساں از ہر کجا بر خاستی آنجا شیں“



شبلی حلی

مسلم سے ایک روز یہ قہس ال نے کہا
 تیرے سر و فرستہ کے نفعی علوم نو
 پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی
 مردان کا رڈھونڈ کے اسباب حادثا
 پوچھ اُن سے جو چین کے ہیں دیرینہ ازوا
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خنزاں
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازوا
 شبلی کو رو ہے تھے ابھی اہل کلبستان
 حالی بھی ہو گیا سوتے فرو دوسن نورو

”الکھنوں کو راو ملغ کہ پیرد ز باغباں
 بیل چغت و گل چشنید و صبا چرڈ“

۲۵۰
 بانگ درا
 ۲۳۲

ارتفت

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
 سکوتِ شام سے تا غمِ سحر گاہی
 کشاکشِ نرم و گرم و گرم و خراش
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
 سرشت اس کی ہے شکل کشی جفا طلبی
 ہزار حرد ہائے فغانِ نیم شبی
 زخاںِ تیر و زوڑوں تا بہ شیشہِ حلبی
 مقامِ بہت شکست و فشار و سوز و کشید
 میانِ قطبِ قنسیان و آتشِ عنبی
 اسی کشاکشِ بہیم سے زندہ ہیں اقوام
 یہی ہے از تب و تابِ ملتِ عربی

”معاں کہ دانہ انگوڑا آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد میں نے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ جہدِ یقین ضرور
 لائے غرض کہ مالِ رسولِ امین کے پاس
 دس مالِ اہِ حق میں جموں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر لکھے گا آج و تم میرا راہوار
 ایسا کی ہے دستِ نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جوشِ حق سے تڑپے دل ہے قرار
 زکھ ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی آگیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا شریک
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
 اس پر قہرِ مہر و شرفِ اطراف و حصار
 اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی آگیا
 بولے حضورؐ چاہیے منکرِ عیال بھی
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدہ مرہ و انجم فروغ گیر! اے تیری فاست باعث سکونِ روزگار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمین بر شعریٰ فنی

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخالی

کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ سما کی

یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

ہنس سی سمجھی لٹی فٹن میں غنچوں کی جگر چاکی

مناظرِ دلکش اور لہلائی ساحر کی چالاکی

رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہونہار کی

مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی

چومن آتش خود سو اگر سوئے داری

حرارت ہے ہلاکی باوہ تہذیبِ حاضر میں

کیا کرتے کو جھنڈے کے تاپ ستار اس نے

نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے

تغیر آگیا ایسا تدبیر میں تختہ سیل میں

کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لکین

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا

فروغِ شمع نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی

”تو اے پروانہ! اس خمِ زمینی شمعِ محفلِ داری

والد مرحومہ کی یاد میں

فترہ فترہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
اسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیلابِ پافستار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سب گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمود گلزار میں
نغمہ بلبلی ہو یا آواز خاموشی ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲
بانگ درا
۲۳۸

قلب انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عُقبالی نہیں
 جانتا ہوں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصۂ نسیمِ زلی و دراں نہیں
 دلِ مراجیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہِ پیہم کی ہے
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہِ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے سے سور ہے دامن مرا
 حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو لویا پاسبان اس نے کیا
 عمدہ نعلی سے مجھے پھر اشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جان ناتواں
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم کو ہر بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 و نیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی آوج کا ہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں نسلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا تپنا
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ منیر یاد آؤں گا
 اب دُعا تے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کار و بارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آتشِ نا صبح و ساروتا ہے وہ
 تخمِ جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شریکِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائیٰ برنا و پیر
 آدمی ہے کسِ طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
 کتنی مشکلِ زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دُخستِ رانِ مادرِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و درمیں، شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آراشِ لڑم خاموش میں

دُوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کُفت ہے

زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کھوافتار ہے

قافلے میں غیرِ نیرودہ کچھ بھی نہیں

اک مستراحِ دیدہ ترکے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ لڑوؤں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گُلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہ یاد پر مجبورِ بے بس ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہِ خزاں

سبز کر دے گی انھیں بادِ بہارِ جاوِ دل

خُفتہ خالِ پے سپر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا

عارضی محسّل ہے یہ مُشتِ غبارِ اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا معتمد ہو یہ وہ لوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے
ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ نامِ کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہِ غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے
جستِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
سوجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اُس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیداری سے نقشِ اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ درا

۲۲۲

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
 یہ تو محبت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
 فطرت مستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 آہ سیما پریشاں، انجسمِ لڑووں فروز
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سرِ زنو ہے وہ مدتِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں اُس سوتے افلاک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی ستارہ میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمع روشنِ محسنِ قدرت میں ہے
 آسماں الٰہی نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
 شعلہ یہ کمر سے لڑوؤں کے شراروں سے بھی کیا
 کم بہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 شخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواہ ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دُانے میں جو ستور ہے
 خوشگئی، خوشنوائی کے لیے مجبور ہے
 سردیِ مرتد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لمحہ اُس قوتِ اشْفیٰ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے گردن لڑوؤں میں جو اپنی کسند

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس گلشن میں جز بنجیدن پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لاوا
 زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دل سحر، غم مرنے والوں کا جہاں آبا ہے
 حلقہٴ پنجبیر صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا مالہ ماتم نہیں
 وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے جوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو مالہ و سنر باد سے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشکِ باد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے کو محسوس ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساسِ نامعلوم ہے
 ق جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خالِ عین کی شعلہ افشانی سے ہے
 سر و یہ آلِ اس لطیفِ احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فناِ خاموشی نہیں
 پردہِ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوئی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قرب کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہِ بے بل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نعیموں سے باوجودِ بدمِ آباد ہے

خُفتِ تکانِ لاله زار و کوہِ سار و رُودِ بار

ہوتے ہیں آخرِ عروسِ زندگی سے ہملنار

یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح

مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجِ صبح

وامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفتابِ کیر

کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر

یاد سے تیری دلِ دردِ آشنا مہمور ہے

جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا مہمور ہے

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات

جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات

مختلف منہرِ نزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے

آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے

سازگارِ آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

نورِ فطرتِ ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ حسر مرقدِ شہروزاں جو ترا
 نور سے معمور یہ خالی شبستاں جو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبِ بنم افشانی کرے
 بسزۂ نور ستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شعاعِ افتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظر تھی
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 میں نے پوچھا اس کے سرِ اُضطراب
 تیری جانِ ناشکیبائی میں سے کیسا اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی تھی جس سے آسماں
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشی کیلئے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیلئے یہ

”خفتہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
پروش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
منضرب پروم مری تقدیر لھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر لھتی ہے مجھے
برقِ آتشِ خونہیں فطرت میں جاری ہوتی ہیں
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوتی ہیں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں جاؤں گی یہ
راستے کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دل لھلاؤں گی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حویلی بھاری بھی ہے
سوئے الوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے

عرفی

محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تختلے نے
تصدق جس چہرے پر خانہ سینا و فارابی
فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نوا ایسی
میسر جس کے ہر آنکھوں کو اب تک اشکِ غنابی
مرے دل کے اَل دُن اس کی تربتِ شکایتی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستانی
مزاجِ اہلِ عالم میں تغیت سے کیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا کی کیفیت و سیابی

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشِ جوتی ہے نہ ہوجبتِ چشمِ محفلِ آشنائے لطفِ بے خوابی
 کسی کا شعلہ فریادِ غمِ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ سحر کی آسمانِ تابی
 صد اثربستِ آئی "شکوہ اہل جہاں کلم کو نوارِ تلخِ ترمی زُن چو فوقِ غم کلم یابی
 حُدیٰ آنیزِ ترمی خاں چو محملِ الراں بینی

ایک خط لے جا بس میں

جوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں مہمتِ تک و تا حصولِ جا ہے ابستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکرِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکر نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں لہتیاں سرسبز جہاں میں چوں میں مثالِ سحابِ یاباش
 یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش
 ہوائے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی کیا ہے حافظِ زنجیں نوائے رازیہ فاش

"کرتِ جواست کہ باخضرِ نیم نشین باشی
 نہاںِ چشمِ کُندِ چو آبِ حیاں باشی"



نمانا

قوم نے سینا کو تم کی ذرا پڑا نہ کی
 اہ اہ بد قسمت ہے آواز حق سے خبر
 اشکار اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 اہ اہ شور کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک سے پندار میں
 بت کہ پھر بعد بدت کے مگر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک دانہ کی
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 ہند کو لیکن خیالی فلسفے پر ناز تھا
 بارشِ حیرت چوئی لیکن زمین قابل نہ تھی
 درو انسان سے اس بستی کا دل بگناہ ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفلِ غیبِ ر میں
 نورِ ابراہیم سے اندک کھل روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صد اتو حید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مرد کا ل نے جکایا خواب سے



کفر و اسلام

تضمین بر شعر سیر رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طوے
 آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
 تھا جواب صاحب مینا کہ سلم ہے اگر
 ذوق حشر ہے تو پھر لازم ہے ایسا بن سیر
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پڑا نہ کر
 عارضی ہے شان حاضر، سطوت غائب مدام
 شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کب
 اے کہ تیرے نقش پائے اومی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں ترا سو گز لہن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
 ورنہ خاسترے تیرے مندی کا پیہن
 غنطرہ اومی فداں میں ہو کر خمیہ زن
 اس وقت کو محبت کے ہے بطن جان و تن
 "شمع خود را می گذارد و در میان خشن
 نور ما چوں آتش سنگ از نظر پنهان جوشست"



۲۴۰
 بانگ درا
 ۲۵۲

بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 اہل مسلم میں جس کا بہت احترام تھا
 جولاں کہ سکندر رومی تھا ایشیا
 لڑوں سے بھی طبت تر اس کا مقام تھا
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دعویٰ کیا جو پوس وارانے جنت تھا
 دیکھ کے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 حیرت کے دیکھتا فلک نسیل فام تھا

آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی اوجھستیر
 فطرت تھی جس کی نوز بہوت سے مستنیر
 جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بدل
 محکوم اس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر
 ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے میر
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جس گداز
 صدیوں سے سن رہے جسے خوش چرخ میر

اقبال اس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم چٹ

تضمین برسر ملک قومی

مرشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ
بدلی زلمے کی ہوا، ایسا غیبت لگیا
وہ شعلہ روشن تر غلٹ کر ریزاں جس سے تھی
شیدائی غائب نہ رہا، دیوانہ ہو جو
ممكن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آورتری
اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی وا
رہبر کے ایسا سے ہو تعلیم کا سو واجبے
لیکن جانچتے ہیں دیکھے زبون بختی مری
لازم ہے ہر کے لیے دنیا میں سامان سفر
تھے جو دران قیمت کبھی اب میں ستاع کس مخز
کھٹ کر ہوا شل شرتا سے بھی کم نور تر
غالب ہے اب اقوام پر وجود حاضر کا اثر
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز پر
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم شل نشتر
واجب ہے صحیحہ اگر رو پر تحصیل فرمان خضر
”رفتم کہ خار از پاشتم، محل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲
بانگ درا
۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کھلی سے کہہ رہی تھی ایک دشنم گھٹان میں
 رہی میں ایک مدت غنچہ ہائے باغِ حنوان میں
 تھکے گھٹان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
 بندہ فروس و اسمن ہے میری چشم حیران میں
 سنہ پے کو شہزادی ہے حاکم اس گھٹان کی
 کہ جس کے نقش پا ہے پھول ہون بہا بیابان میں
 کبھی ساتھ اپنے اس کے اتان تک مجھ کو ٹولے چل
 چھپا کر اپنے دہن میں بن گنک موج ٹولے چل

کھلی بولی سر آریا ہماری ہے وہ شہزادی
 درخشاں جس کی ٹھوکر سے چرخ بھر بھی گھس بن
 مگر فطرت ترمی افتندہ اور حکیم کی شان اونچی
 نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیں بن
 پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
 کسی لکھ درد کے مارے کا اشک اشیں بن
 نظر اس کی پیام عید ہے اہل محترم کو
 بنا دیتی ہے کو ہر غم دوس کے اشک سیم کو

تضمین بر شعر صائب

کہاں اقبال تو نے بنایا اشیاں اپنا
 نوا اس باغ میں بسل کو ہے سامانِ سوائی

شرائے ادبی امن کے تو ہوتا تو ہے لیکن
 کل روز نفس سے بھی ہاں مل ہو نہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت سولتی اہل قلم کی
 دل کا وہ خواب بید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نہ ممکن تو اڑ جا اس قلم کی
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہاں بہتر کیسی دریا بیاں جلوہ گر باشد
 نذر ونگناے شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک و ز
 اے آنکہ ز نور لہر نظم فکتاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہے لچھے اس کی لوں میں
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی مست اثر
 حال سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چراغ مرہ خستہ ز وہ امی باز
 و اماندہ منزل ہے کہ مصروف تک تاز
 تھی جس کی فلک سے ز لہجہ گرمی آواز
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۲

باقی ہے در

۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا لٹ
آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
وہیں ہو تو صفت صمد میں بھی پیدا ہو جندی
مذہب کے ہم آہنگی اس لئے ہے باقی
بنیاد لرز جاتے جو دیوارِ چمن کی
پانی نہ ملازمِ زم زم سے جو اس کو
یہ ذکر حضورِ شریف میں نہ کرنا
اتنی یہ صمد، پاؤں کے تعلیم سے اسرار
دنیا تو ملی، طہار دین لایا پر از
فطرت کے جانوں کی نہیں کسی نے میں تاز
وہیں زخم سے جمعیت ملتے ہے الرسا
ظاہر ہے کہ انجہامِ قساں کا ہے آغاز
پیدا ہوئی نئی نو و میں الحاد کے انداز
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

خُرماتواں یافت ازاں خارِ کشتیم
دینا متواں یافت ازاں چشتم کہ رشتیم
(سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیرِ فلسفہ مغربی ہے یہ
چلدارِ نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
نماواں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش

محوس پر پناہ عیسوی جڈ کی
 اس فور میں ہے شیشہ عتاد کا پاش پاش
 مذہب جس کا نام وہ ہے الٰہ جنون خام
 جسے جس آدمی کے تختہ سیل کو انتقام
 کہتا ملک ہے فلسفہ زندگی لچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 ہر چہ تسل کل شدہ امی بے جنوں مہاش“

جناب یرمول کا ایک واقعہ

صف بے تھجہ عرب کے جوان تیغ بند
 تھی منتظ جن کی عروس زین شام
 الٰہ نوجوان صورت سیاب مضطرب
 آکر ہوا ایسے عساکر سے ہم کلام
 اے بوجبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 الٰہ دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 لے جاؤں گا خوشی سے الٰہ کوئی پیام
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر ہم سوئی وہ آنکھ
 جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
 بولا ایسے رنوج کہ ”وہ نوجوان ہے تو“
 پیروں یہ تیری عشق کا واجب ہے احترام

۲۶۶

بانگ درا

۲۶۰

پوری کرے خدا کے مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدا کے غیور نے
پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے حکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی لیتی

پیوستہ شخص سے مہربان رہ

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں مہری ہو سحابِ بہا سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برلِ با سے

ہے تیرے گھڑاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گُل زر کا مل عیب سے
جو لغزین تھے خلوتِ اوراق میں طیور
مُختص ہوئے تھے شجر سایہ دار سے
شاخِ بربیدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
نا آشنا ہے فتاحِ عدہ روزگار سے

ملّت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار کھلا

شب معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رویکِ گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریا
کہہ رہی ہے یہ سیلِ سان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے اگلے دلِ صدفِ عجب کی
تو اپنے پیرِ سچ کے چاک تو پہلے رفو کرے
تنہا ابرویں ہوا لکھزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کرے
صنوبرِ باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کرے

۲۷۸

بانگِ درا

۲۶۲

تنگ بخشی کو ہتھکڑی سے پیغامِ حیات دے
 نہ رہت کشتِ شبنمِ بکلوں جامِ و سب کو لرے
 نہیں یہ شانِ خودارنی چمن سے توڑ کر تجھ کو
 کوئی ستار میں لکھ کے کوئی سب کو لرے
 چمنِ غنچہ پہ گل سے یہ کہہ کر اڑ لسی شبنم
 مذاقِ جوڑ چمن ہو تو سپیدار نکو لرے
 اگر منظور ہو تجھ کو خزانِ آشنایا رہنا
 جہانِ نکو بوسے پہلے قطعِ آرزو لرے

اسی میں دیکھ کر ہر حالِ زندگی تیرا
 جو تجھ کو زینتِ اس کوئی آئینہ زو لرے

شکایتیں

شفقِ صبح کو دریا کا خرامِ آئینہ
 نغمہٴ شام کو خاموشیِ شامِ آئینہ
 بر گلِ آئینہ عارضِ زیبائے بہار
 شاہدِ مے کے لیے جملہٴ جامِ آئینہ
 حُسنِ آئینہ حق اور دلِ آئینہ حُسن
 دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلامِ آئینہ

ہے ترے فکرِ فلک سے کہاں ہستی

کیا تری فطرتِ روشن تھی نالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
 تابِ رخسید میں رخسید کو پہنا دیا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا

رازِ واں بھرنہ کرے کی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

نہ سلیقہ مجھ میں ظہیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درخت تو پریدہ رنگ رسیدہ نو

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بو و ہم نفسِ عدم

وہم زندگی ہم زندگی غم زندگی ہم زندگی

ترنہ خیال میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اپنے حرمِ حرم بتا

گلدستہ جھانے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

نہ ستیزہ کا وہ جہاں نہی نہ حریفِ پنج گونے

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ لہڑے ہیں منتظرِ کرم

میں ملکِ جاوے سامری تو قتلِ شوقِ ازری

میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ لہری

ترا دل حرمِ لہرِ مجسم ترا دینِ سیرۃ کا فری

غمِ غم نہ کہ غمِ غم نہ لکھا لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

کہ جہاں میں ناںِ شعیب ہے ارقوتِ حیدری

کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندری

کسی بیکے میں کیا کروں تو کہے غم بھی بھری

وہی فطرتِ اسدِ اللہ ہی وہی حربی وہی عسکری

وہ لکھ لکھ تو نے عطا کیا ہے جھین مانعِ کندی

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بند
قطرہ نیساں ہے نہ ان صدف کے ارجمند
مُشکِ اُفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے
مُشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ آنہو میں بند
پہر سی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس کے بہر مند

”شہرِ زراغ و زغن بندِ قید و صید نیست

اس سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کو داند“

درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے الٹی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از دیراں خواستن موسیائی“

ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں! زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ راغ انجمن افروز تھی
گرچہ تھا تیرا ترن جنت کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
کس قدر بے بال دل اس ناتواں پیکر میں تھا شعلہ کز دوزخ نور و اکُشتِ خالستر میں تھا
موت کی لکین دل و انا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جگر منکارتہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



۲۸۲

بانگِ درا

۲۶۶

خنسراہ

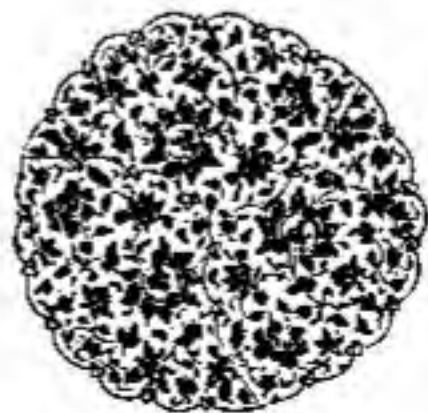
شاعر

ساحل دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہ دل میں چھپاتے اک جہان اضطراب
شب سکوت سنرا، ہوا آلودہ، دریا نرم سیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کلم ضو گرفتار طلسم ماہیتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکر جہاں میں پناہ خضر
 جس کی پیری میں ہے مانسہ سحر زنگ شہاب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویئے اسرار ازل
 چشم دل وا ہو تو ہے تختہ دیر عالم بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہوا شکارِ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخن ستر ہوا
 اے تری چشم جہاں ہیں پر وہ طوفانِ آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتی مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ ستیم'
 علمِ موسیقی بھی ہے تیریے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرانورد
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خر و ش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویر نہ چاک
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسقدر رہا محروم آبِ زندگی
 فطرتِ اسقدری اب تک ہے لرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰؐ
 خال و نخوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے!



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوئے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نہ جیتی ہے جب فضلے دشت میں بانابِ حیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا حنِ رام
وہ حُضر بے برل و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پا پہ سنگِ گامِ سج
یاں سایاں بامِ لردوں سے جبینِ حیریل
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ ندیل

۲۸۶

بانابِ حیل

۲۶۰

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کا رواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سودا سے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں تو زنجیر کی کشت و خیل
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاوہاں پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر رہی زندگی میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں ہے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تُو ابھر ہے مانندِ جناب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
 پُختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زہار تُو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکرِ خالی میں جباں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
 تا یہ چنگاری فرغ جاوےاں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جلتے مثالِ آفتاب
 تابخشاں پھر وہی غسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کر دوں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے
 یہ لکھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

سلطنت

استاؤں تجھ کو رمزِ آیتِ اِنِّ التَّائُونَ
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاؤ لری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسم الر
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حُلمِ راں کی ساحری

جادوئے محسود کی تاثیر ہے چشم ایاز
 و بھتی ہے حلفتہ گردن میں ساز دلبری
 خون اسہ ایل آجاتا ہے آسنہ جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی ٹوٹسی طلسم سامری
 سروری زیبا فقط اس فات بے ہمتا کو ہے
 حکمراں ہے ال وہی باقی بستان ازری
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا مکن
 تا تراشی خواجہ الے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز لہن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبایم میں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجاہدین و اسلحہ و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

۲۹۰

بانڈے را

۲۴۲

گرمی کُفتارِ اعضائے مجالسِ الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زرِ رمی
 اس سرابِ نیک و نیکو کا رستاں سمجھا ہے تُو
 اہلے نادان! قفسِ کو اشیاں سمجھا ہے تُو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب اک مرہ پیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیغامِ کائنات
 اے کہ تجھ کو کھالیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات
 دستِ دولتِ آسنہریں کو مزدوروں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الوط نے تجھ کو دیا برکِ شیش
 اور تُو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بنائے مسکرات
 لٹ مارا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دیا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک
 نعمتِ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتاب تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا ماتم کب تک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُور ہی جنت سے روتی چشمِ اوم لب تک
 باغبان چارہ سر ملے سے یہ کہتی ہے بہا
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مریم لب تک
 کر مابِ ناداں ابطوافِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دُنیا سے اسلام

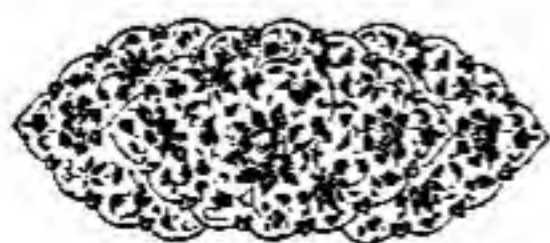
کیا سناتا ہے مجھے شرک و عرب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساء
 لے لے تھیش کے فرزند میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن لٹی خالِ حجاز
 ہو گئی رُسوا زمانے میں کُلاہِ لالہ زنا
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کش حرارت جس کی ہے عینِ الدار
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو لڑویتا ہے کان
 ہو گیا مانند آبِ ازاں سماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن
 گفتِ رومیؒ ہر بندے لہنہ کا باداں کسند
 می ندانیؒ "اول اں بنیاد را ویراں کسند"
 "ملک ہاتھوں کے کیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں"
 حق ترا چشمے عطا کر دستِ غافل در نگر
 موسیٰؑ کی کدائی سے تو بہتر ہے شکست
 نورِ بے پر! عابحہ چہ پیشِ سلیمان نے مہر
 ربط و ضبطِ ملتِ مضرب ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں
 ملک دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ
 ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ خال کا شجر
 جو کرے گا امتیازِ رنگِ خونِ برٹ جانے کا
 شرکِ حشر کا ہی ہو یا اسرارِ بی والا لہر
 نسلِ اسلم کی مذہب پر مقدم ہو لہتی
 اڑکیا دنیا سے تو مانسندِ خال رہ کر

تاحِ خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لاکھوں سے ٹھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر
 اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش
 اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش
 عشق کہ فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چلی
 اب ذرا دل تھام لے فریاد کی تاثیر دیکھ

تُو نے دیکھا سٹو سٹ رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہجیر دیکھ
 عام حضرتیت کا جو بھسا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تُو اُس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حفا کتر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر جوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتہ نہ لفتار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فستند ہے ال اور بھی لرزوں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیتعاد وار



طلوع اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
 اُفق سے آفتاب ابھرا، کیا دورِ گراںِ خوابی
 عسروںِ مرقہ مشرق میں خونِ زندگی دھڑا
 سمجھ سکتے نہیں اس از کو سینا و سارابی
 مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے
 تلاطمِ ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
 عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
 شکوہ ترکِ سانی، ذہنِ ہندی، نطقِ عربی
 اثرِ کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے دلیلِ
 ”نوارِ تلخِ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
 تڑپِ صحنِ چمن میں، اشیاں میں شاخساروں میں
 جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تعذیرِ سیما بی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستواں دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مرد عسائی کی جلد تابی
 خمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو لڑے
 چمن کے ڈرے ڈرے کو شہیدِ جستجو لڑے
 سر شامِ چشمِ سلم میں ہے نیاں کا اثر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں یوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
 یہ شایخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر ریل و بر پیدا
 ربود اس ترک شیرازی دل تبریز و کابل را
 صبا لرتی ہے بونے گل سے اپنا سہم پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہہ عنہم ٹوٹا تو کیا عنہم ہے
 کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

۲۹۸

بانگ درا

۲۸۲

ہزاروں سال نرس اپنی بے نورمی پڑتی ہے
 بڑی شکل سے جوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 نوایر اچھوٹے بیل کہ پوتیرے ترنم سے
 کہو ترکے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہرے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہرے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کہاں تو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
 مکان و مانی، مکیں آئی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
 حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہیسی ہے معمار جہاں تو ہے

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جو ہر منہ کا گویا امتحاں تو ہے
 جہاں آبِ کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ ارجاں تو ہے
 یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کامِ دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 اخوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں کلم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چین لبِ تمل
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

گمان آباد ہستی میں ہستی میں مرد سدا کا
 بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
 ہٹا یا قصیر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ لیا تھا، زور حیدر، فقر نوذر، صدق سلمان
 ہوئے اصرار ملت جاوہ پیا کس تختل سے
 تماشا کی شکاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثبات زندگی ایمان کلم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے ثورانی
 جب اس انکارہ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو فوق ہستی پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
 نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط الٰہ تحت ایمان کی تفسیریں
 براہِ سیمنی نظر پیدا کر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و افتا فسادِ اوستی ہے
 حذر لے چیرہ ستانِ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایک ہے سرشے کی، حاکم کی ہول نور می ہو
 لہو خورشید کاٹنے کے رفتے کا دل چسپیں
 یقینِ کلمِ عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
 جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ بایہ مردِ را طبعِ بلندے، مشربِ نابے
 دلِ کرے، نگاہِ پاکِ بینے، جانِ بیتابے
 عجبانی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲

بانگِ درا

۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے
 طمانچے موج کے لھاتے تھے جو بن لہر نکلے
 غبارِ رہ لہر ہیں کہیں سا پر ناز تھا جن کو
 جبینِ خال پر رکھتے تھے جو اسیر نکلے
 ہمارا نرم روفت اصد پیامِ زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بکلیاں وہ بے خبر نکلے
 حرمِ رسوا ہوا پیرِ حرم کی لم نکا ہی سے
 جوانانِ تزاری کس وقت در صاحبِ نظر نکلے
 زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کرتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یقینِ انرا دکا سیرِ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ لعلِ ملت ہے

تُو راز کُن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا راز واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ ہندی وہ شہر اسانی، یہ افغانانی وہ تورانی
 تُو اے شہر مندہ ساحل! اُچھل کر بے لراں ہو جا
 غبارِ الووہ رنگِ نسب میں بال و تریسے
 تُو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ بسترِ زندگانی ہے
 نکل کر حلقہٴ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصحفِ زندگی میں سیرتِ فولا پید کر
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا
 گزر جا بن کے سیلِ شند کو کوہِ بیاں کے
 گہستانِ راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکار ہی ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ ستاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مند ان مغرب کو
پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
تدبر کی فنون کاری سے محکم نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سڑیہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
خروش اس سوز بے بس ہو، بکرہ غنچے کی والہ کے
کہ تو اس ملکستان کے واسطے باد بہاری ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنکاری محبت کی
 زمیں جولاں کو اسلس قبایع تار می ہے
 بیا پیدا خنریدارست جان ناتوانے را
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
 بیا ساقی نوالے مرغزار از شاخسار آمد
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تار آمد
 کشید ابر بہار نمی خمید اندر وادی صحرا
 صدائے آتش راں از منہ از کوہسار آمد
 سرست گردم تو ہم قانون پیشین ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعلین پر و از ان قطار اند قطار آمد
 کنار از زاہدان بریہ و بے باکانہ ساغر شس
 پس از مدت ازین شاخ لہن باناب ہزار آمد
 بہشتا قاس حدیث خجستہ بدروین اور
 تصرف ہلے پنہانش بحشم لشکار آمد

وگر شاخِ خلسِ دل از خونِ مانم ناک می گردد

ببازارِ محبت نقدِ ماکمل عیارند

سرِ خالِ شهید دے برل ہاے لالہ می پاشم

کہ خوش بہ سال ملتِ ماس از کارند

”بیاتاکل بفیشا نسیم و مے در ساغر اندازیم
فلک استقف بشکاف نسیم و طرح و میر اندازیم“



آبدار کھا دے جاوے نہ بھام
 نیک سے انتہا میں نہ ہو بھام
 کہ بھام نہ ہو بھام
 آبدار کھا دے جاوے نہ بھام
 نیک سے انتہا میں نہ ہو بھام
 کہ بھام نہ ہو بھام
 آبدار کھا دے جاوے نہ بھام
 نیک سے انتہا میں نہ ہو بھام
 کہ بھام نہ ہو بھام

۳۰۸
پانچویں
۲۹۲

عزلیات



اے بادِ صبا! کہلی وائے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی لٹی
یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
ہے دُور وصالِ بحرِ ابھی، تُو دریا میں کھسبرا بھی لٹی
عزت ہے محبت کی و تائم اے قیس! حجابِ محمل سے
محمل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی لٹی، لیدا بھی لٹی
کی ترکِ تائب و دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
اوار کی فطرت بھی لٹی اور شکش دریا بھی لٹی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی لہتی، دل محفل کا ترپا بھی لہتی



یہ سر و قمری و بیل فریب پوش ہے
تیرے پیانوں کا ہے یہ لے مے مغرب اثر
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے
خند زن ساقی ہے ساری انجمن کے چوش ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو رو پوش ہے
اے دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں حل لکین فریبچ نہج کے حل
یہ سمجھ لے کوئی میسنا خانہ بار ووش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے
اے اقبال! وہ بیل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بیل شورید ترا خام بھی
پختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور راتھام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو دپڑا آتش نرود میں عشق
عقل ہے محتما سائے لب بام بھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شوبی
 عذریہ پر پیر کیست ہے بجز کر ساقی
 سعی سیم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تینک بخشی شبنم کب تک
 باوہ کرد ان عجم وہ عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی
 تو ہے ناری بُت خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں وہی کوشش انجام بھی
 تیری میزراں ہے شمارِ شام بھی
 مرے نسا کے لالے ہیں تہی جام بھی
 مرے ساغر سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تہ و ام ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چٹک پنہاں کتب
 نفسِ قمر کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ درِ نوزہ لری مثلِ کلیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر
 تیرے سینے میں لکھ ہے تو سیجائی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
 دل کو بیگانہ اندازِ کلیسائی کر

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا چھو
نار بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر

پہلے خود دار تو مانند سگند ہو لے
پھر جہاں میں ہو س شکست دارائی کر

مل ہی جائے کی بھی منزل سیلی اقبال
کوئی دن اور ابھی باویہ پیائی کر



پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو
غنیہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو

تو خاک کی مٹھی ہے اجڑا کی حرارت سے
برسم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیاباں ہو

تو جنس محبت ہے قیمت ہے لڑائی تیری
لم مایہ ہیں سو الزامیں میں ازان ہو

کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری
تو نغمہ رنگیں ہے ہر گوش غیبیان ہو

اے ہر وقت نراندہ ارستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شب بنم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں ضم ہے تن آسانی

مقصد ہے اگر منزل غارت گرساماں ہو



کبھی اے حقیقت منتظر نظر الباس محاز میں
کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جبین نیاز میں

طرب آشنائے غروبِ شبنم، تو نوا ہے محرمِ خوش
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
 دمِ طوفِ کماشِ معنے یہ کہا کہ اثرِ کفن
 نہ کہیں جہاں میں اناں ملی جو اناں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں ہیں مہیا نہ وہ حسن میں ہیں شویا
 جو میں سرِ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صنمِ آشنائے تجھے کیا ملے گا نماز میں

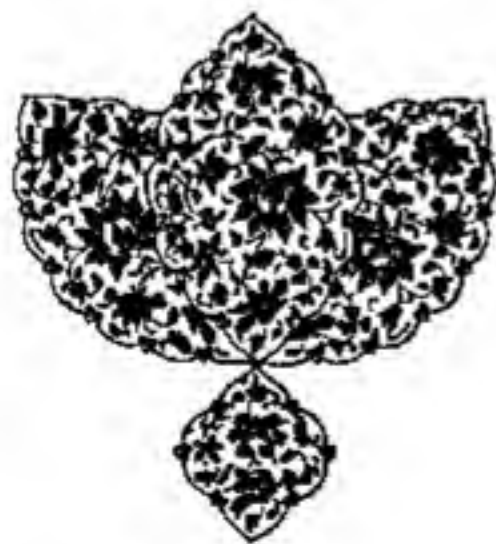


تہ دام بھی غزل آشنائے طربِ انجمن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی تہی دلِ ناصبور نہ کر سکا
 نہ خدار ہا نہ صنم ہے نہ رقیبِ بے حریم رہے
 مرا سازِ الرچہ ستم رسید زخمہ ہا عجیب ہا
 وہ شہیدِ فوق و فاعلوں میں نوا مرئی بی رہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
 عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ
 اے سماں! ہر لہری پیشِ نظر آیہ "لَا يُخْلِفُ الْمُسْلِمُ" رکھ

یہ لسانِ عصمتِ کریم ہے
 "إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۴
 بانگِ درا
 ۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں پھر رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نطنہ وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
عظیم سنہ ٹو یا کل آپ کے یہ صاف صاف ”پروہ آخر کس سے ہو جب مروپی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے کی
 اٹکے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات کشیں پہلا سبق ہے پیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خیال پر ہی فقط آغا بھی کے آتے ہیں اپنے وطن سے چینک
 میرا یہ حال، نوٹ کی ٹوچاٹا ہوں میں اُن کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک
 کہنے لگے کہ اوٹ ہے بھڑاسا جانور
 اچھی ہے کھائے رکھتی ہے کیا نول واریہ

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب نو کے سامنے سراپا حنکم ہیں
 روجہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ مستم لریں

تہذیب کے مرض کو گولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاد کے عوض دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے

بدلانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کستہ ہے ماسٹر سے کہ دل پیش کیجیے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت بک
اپنی غفلت کی یہی حالت الفت ہم پر
چھتریں، رومال، منظر، پیرہن جاپان سے
اتیں کے غزال قابل کے لغز جاپان سے



ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے
اس فور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
وانٹرسٹ بقومی ہیں یاں ایک پرانا مشک ہے
جو قائم اپنی راہ ہے اور پکا اپنی نیت کا ہے
ایسے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گروں کے کتنی بلند ہی ان قوموں کو دے چکا ہے

یا امام بیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی کے یا قرانی یا حشکے



”اھلِ شہود و شاہد و شہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ اپنا آپ بھئی لکھتے تھے لعلے لوں سے کل اہل ویر کیا
ہم پوچھتے ہیں سلم عاشق مزاج سے اُفت بتوں سے تو برہمن سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دنیا نکل گیا رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی
قانون وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی پوچھو تو وقف کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن بولی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے منہ بے توالے عاشق اقدم باہر دھر سے
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا یہ مانا درونا کامی کیا تیرا لڑھکے سے
کہا میں نے کہ اے جان جہاں کچھ نقد و لواؤ کراتے پر منگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
مغرب میں ہے جہازِ بیا باں شتر کا نام ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خیر و حکومت ہیں کونسلیں آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

۳۱۸
بانگ درا
۳۰۲

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سلیقہ اب اُمرا بھی سوال کا



ممبری اسپیرٹل کنسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشے بجا فرمائے
”ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں لھائیں گے کیا“



دلیل مہر و فاسک بڑھ کے لیا ہوگی
نہ چھوڑے اُلفت تو یہ ستم نہ سہیں
نہ صریح حلقہ کمیٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے قلندر کو بجانب لیں تو کہیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر رہیں رہیں نہ رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سندروں کی تہیں

مشاکشتی بے حسیع فرماں ہیں
کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں



فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
لغفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 سن لے کر ہے کوشش مسلمان کا حق نبوش
 اک باوہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بار کوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں علم کو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے شرق کی تجارت کتب
 شیشہ دس کے عوض جام و سبولیتا ہے
 ہے مداوائے جنوں شہر تعلیم جدید
 سیرا سرجن لیت سے لہو لیتا ہے

گائے اک وز ہوتی اونٹ سے بوج کر سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوتی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے کہا
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں ہم
 ریل چلنے سے مکر دشت عرب میں سیکا
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
 تھی لٹکتے ہوتے ہونٹوں پہ چھدا تے زہا
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آئندہ دل میں وہ دیرینہ غبا

جب تعیتِ رُسنی اونٹنے شرب کے کہا
 رشکِ صد غمزه اشتر ہے تری ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 گو سفند و شتر و کاو و پند و خرنند
 باغبان ہوسبق آموز جو لیرنگی کا
 دے ہی جام ہیں بھی لمنا سے یہی
 ہے ترے چہنے والوں میں ہمارا بھی شہما
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے سیا
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے ابقِ لفشار
 کچھ پچھ پاس نہیں چار ا بھی لھاتے ہیں ا دھا
 ایک ہی تک میں نکھیں تو ہے اپنا وقا
 ہمزباں ہو کے رہیں کیوں نہ طیورِ گلزار
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفقا بھی شہر

”دلق حافظ کچھ ارزو بہ شیں رنگیں کن
 وانگشست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے کہہ یا مجھے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہلہ
 جبر اپنی ناتسامی کا
 جلد شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے رحمت

پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجیل سے نازل ہوئی مجھ پر
لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا
کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن
اس جنک میں آخر نہ یہ ہار نہ چہیستا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
سجد سے نکلتا نہیں ضدی ہے سیستا

جان جائے ہاتھ سے جائے زرت
ہے یہی اک بات ہر مذہب کا ثقت
چٹے بٹے ایک ہی تھیل کے ہیں
سانہو کارمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و سطر دنیا میں صف آہ ہو گئے
دیکھیے ہوتا ہے کس کس کی تباہوں کا خون
حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز
نہیں جتاؤ قد لست شتم یہ شغجون
کھل گئے یا جوج اور با جوج کے شکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف نیسلون

شام کی سرحد رخصت ہو وہ زندلم نزل
رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے قی

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس وجہ جبریت کا مقام
 زنگ ال پل میں لجاتا ہے یہ سیلی واق
 حضرت کرن کو اب سن کر عداوت ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بولا الطاق
 وفد ہندستان سے کرتے ہیں سر اغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟



تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے نہیں
 کہتا تھا وہ کہے جو زراعت اسی کا طہیت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا میں سے میں نے کہ ہے کس مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے



اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انٹے ہیں سے
 اکشن مہم سہی، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازادی نے پھینکے
 میاں بخار بھی پیلے گئے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے بندے

کارخانے کا ہے مالک مروت نالود کا
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نہیں لانا انسان الا ماسعی
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل لیتا تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب نسل لان ہوا
کوئی اس شہر میں کب سے تھا سڑیہ اروں کا

مسجد بنادی شہر میں سماں کی حرارت اہل
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں مازی بن سکا
کیا خوب افسیر میل کو سنو سی پیغام دیا
تو نام اوسکے جاری ہے پر دل کا جاری بن سکا
ترا نکھیں تو جاتی ہیں کیا لذت اس نے
جب خج بن بکر کی امیرش کے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین مازی تو بنا کر وار کا عین مازی بن سکا

بانگ درا
۳۰۸

بالِ حَبْرِی

اقبال

۳۲۵
بالِ حَبْرِی

بال جبریل
نفس منیر

اُمّہ کہ خورشید لاس مان سفر تازہ کریں
نفس کو خورشید شام رکھر تازہ کریں

انہی

۳۲۶
بال جبریل
۲

اُمّ که خورشید کا سمانِ سخن تازه کریں
نفسِ سوخته شام و سخن تازه کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری زوائے شوق سے شورِ حرمِ ذات میں !

مفلکِ اے اللہاں بستکہ مفاہت میں !

حورِ روزشتہ میں اسیرِ سرِ تقدیر میں

مری نگاہ سے غفلِ تری بقیات میں !

گرچہ ہے میری جستجو دیرِ حرم کی نقشبند

مری فغاں سے سنجیدہ کور و سونات میں !

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود

گاہ الجھنے لگی سے تو بھات میں !

تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبِ جو بھی فاکر کردیا

میں ہی تو اہل رازِ حاسیہ کا نشان میں !

۳۲۸

بالِ جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|---|---|
| ۳۲۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شور حریمِ دُست میں |
| ۳۲۶/۲۲ | ۲ | الرجز زوہیں اُجسم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟ |
| ۳۲۷/۲۳ | ۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر |
| ۳۲۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے، بس تو لے مری فریاد |
| ۳۲۹/۲۵ | ۵ | کیا عشق ایک زندگی ستار کا |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے |
| ۳۵۰/۲۶ | ۷ | دلگروں سے جہاں تاروں کی کر و شس تہیہ ساقی |
| ۳۵۱/۲۷ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی! |

- ۹ مٹا دیا برے ساتی نے عالم سن تو
۳۵۲/۲۸
- ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
۳۵۲/۲۸
- ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
۳۵۳/۲۹
- ۱۲ ضعیفِ دلالہ مے محفل سے ہوا لبِ ریز
۳۵۴/۳۰
- ۱۳ وہی سیرِ کلم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
۳۵۴/۳۰
- ۱۴ اپنی جولاں گاہِ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
۳۵۵/۳۱
- ۱۵ اک دانشِ نورانی، اک دانشِ بُرہانی
۳۵۶/۳۲
- ۱۶ یارب! یہ جہانِ کزراں خوب ہے لیکن
۳۵۶/۳۲
- غزلیات (حصہ دوم)

- ۱ ساسکتا نہیں پسائے فطرت میں مرا سودا
۳۵۹/۳۵
- ۲ یہ کون غزلِ خواں ہے پر سوز و شادانِ گہیز
۳۶۳/۳۹
- ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھایا ہے جنوں
۳۶۴/۴۰
- ۴ عالمِ آب و خال و باد، سترِ عیاں ہے تو کہ میں
۳۶۵/۴۱
- ۵ تو ابھی رہ لزر میں ہے، قیدِ مستام سے لزر
۳۶۵/۴۱

- ۶ امین راز ہے مردانِ حشر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لئے میں ہے سیدِ قہر و نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے تیکہ پال نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرنگی، دلِ نطنس کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روقی، دل بیدار کڑی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی شرمندہ میں کسبِ فدا نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ صف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں لہرچہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمال ترک نہیں اسبِ گل سے مجبوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ سر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے لئی ہے مجھے باد صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	ترمی نگاہ منہ و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندر می کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہکاں! لاسکاں سے دور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھِ خودِ نسانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے

۳۸۵/۴۱	۳۴	جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر وائش حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیش جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرِ تہِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پرودہ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	نہو آنے زور سے اس کے کوئی لہریاں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ بریائے



- ۴۸ نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے ۳۹۵/۱
- ۴۹ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالال ۳۹۵/۱
- ۵۰ کریں گے اہل نطنہ تازہ بستیاں آباد ۳۹۶/۲
- ۵۱ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی ۳۹۶/۲
- ۵۲ نے مہر باقی نے مہر بازی ۳۹۷/۳
- ۵۳ کرم نماں ہے جس، اٹھ کر کیا قافلہ ۳۹۷/۳
- ۵۴ ہری نوا سے چوئے زندہ عارف و عامی ۳۹۸/۲
- ۵۵ ہر اک معتم سے آگے گزریا سہ نو ۳۹۹/۵
- ۵۶ لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش ۳۹۹/۵
- ۵۷ تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی ۴۰۰/۴
- ۵۸ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۴۰۱/۷
- ۵۹ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپا ۴۰۱/۷
- ۶۰ کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف ۴۰۲/۸
- ۶۱ شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۴۰۲/۸

قطر (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زبایات

- ۱ ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مسکاتی ہوں کہ آزادِ مسکاں ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسرتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کاروبارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۲۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک ذرے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۷/۸۳

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری ۲۰۸/۸۴
- ۱۴ خودی کی جستجو میں مصطفائی ۲۰۸/۸۴
- ۱۵ زندہ ابھی ہوتی ہے رنابو میں ۲۰۸/۸۴
- ۱۶ جمالِ عشق وستی نئے نوازی ۲۰۸/۸۴
- ۱۷ وہ سیرا رونقِ محسنِ کماں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۱۸ سوارِ نامتہ و محسن نہیں میں ۲۰۹/۸۵
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۲۰ ترا جوہر ہے نورِ پاک ہے تو ۲۰۹/۸۵
- ۲۱ محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ۲۱۰/۸۶
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۵ جوانوں کو مری آؤ سحر دے ۲۱۱/۸۷

۳۳۶
بالِ جبریل
۱۲

۲۶	ترمی دُنیسا جہان مرغ و ماہی	۲۱۱/۸۷
۲۷	کرم سیرالہ بے جو نہر سیں میں	۲۱۱/۸۷
۲۸	وہی اصل مسکان و لامسکان ہے	۲۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق	۲۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تائی کوہ و دمن عشق	۲۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبہ دروں فر	۲۱۲/۸۸
۳۲	یہ نکتہ میں نے سیکھا بواحسن سے	۲۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیا بد سے	۲۱۳/۸۹
۳۴	خدا تائی آہم خشت و تر ہے	۲۱۳/۸۹
۳۵	یہی اوم ہے سلطان بحر برکا	۲۱۳/۸۹
۳۶	وہ عارف نیم صبح دم ہے	۲۱۳/۸۹
۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۲۱۴/۹۰
۳۸	لھلھے جاتے ہیں اسرار نہانی	۲۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردش باوانہ	۲۱۴/۹۰

۴۰	حکیمی ہمسلمانی خودی کی	۴۱۴/۹۰
۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے	۴۱۵/۹۱
قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا	۴۱۵/۹۱

منظومات

۱	دعا	۴۱۷/۹۳
۲	مسجدِ شریطہ	۴۱۹/۹۵
۳	قید خانے میں معتمد کی فریاد	۴۲۸/۱۰۲
۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمینِ اندلس میں	۴۲۹/۱۰۵
۵	ہسپانیہ	۴۳۰/۱۰۶
۶	طارق کی دعا	۴۳۲/۱۰۸
۷	لینن (خدا کے حضور میں)	۴۳۳/۱۰۹
۸	فرشتوں کا لیت	۴۳۶/۱۱۲

۲۲۸/۱۱۴

۲۲۲/۱۱۸

۲۲۳/۱۱۹

۲۲۲/۱۲۰

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۵/۱۲۱

۲۲۶/۱۲۲

۲۲۷/۱۲۳

۲۲۸/۱۲۴

۲۲۸/۱۲۴

۲۵۰/۱۲۶

۲۵۸/۱۳۲

۲۶۰/۱۳۶

۹ ذوق و شوق

۱۰ پروانہ اور جنگنو

۱۱ جاوید کے نام

۱۲ گدائی

۱۳ نقلہ اور بہشت

۱۴ دین و سیاست

۱۵ الارض، اللہ

۱۶ ایک نوجوان کے نام

۱۷ نصیحت

۱۸ لالہ صحرا

۱۹ ساقی نامہ

۲۰ زمانہ

۲۱ فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۳۳۹
بال حبیب
۱۵

۲۲ رُوح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۰/۱۳۶

۲۳ پیر و مرید

۲۶۲/۱۳۸

۲۴ حبیریل و ابیس

۲۶۳/۱۳۹

۲۵ اذان

۲۶۵/۱۵۱

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۲

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۶/۱۵۲

۲۸ جاوید کے نام

۲۶۶/۱۵۲

۲۹ فلسفہ و مذہب

۲۶۸/۱۵۲

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۶۹/۱۵۵

۳۲ مسولینی

۲۸۰/۱۵۶

۳۳ سوال

۲۸۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دہقان سے

۲۸۲/۱۵۸

۳۵ نادر شاہ افغان

۲۸۳/۱۵۹

۳۳۰
بال حبیریل
۱۶

۳۶ خوشحال خاں کی وصیت

۲۸۴/۱۶۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۴/۱۶۰

۳۸ حال و معیت

۲۸۶/۱۶۲

۳۹ ابوالعلا معری

۲۸۶/۱۶۲

۴۰ سنیا

۲۸۸/۱۶۴

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۶۴

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۶۵

۴۳ فہر

۲۹۰/۱۶۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۶۶

۴۵ جدائی

۲۹۱/۱۶۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۶۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۶۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۶۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۶۹

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	باغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۷/۱۴۳	۵۵	ماہرِ سیات سے
۲۹۷/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور نچتر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُغاں نے)



۳۲۲
بالِ جبریل
۱۸

عزلیات

۳۲۳۳
بالی جبریل
۱۹

مُچھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(بھرتوی بھری)

۳۳۳
بالِ جبریل

۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ عزمِ اتم میں غلغلہ مائے الاماں بُتِ کدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تختِ عیالات میں میری نگاہ سے خللِ تیری تجلیات میں
 کرچے میری جستجو و پرِ حرم کی نقش بند میری فغاں سے رستخیزِ کعبہ سونات میں
 گاہ مری نگاہِ یس ز چیرِ کئی دل و جو گاہِ الجھ کے رہ لسی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از مٹا سینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکر جہان موعج، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہے شوق سے ہے لامکان خالی
 خطا کس کی ہے کیا بے لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازواج تیرا ہے یا میرا؟
 محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرفِ شیریں جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی ملک کی تابانی ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدمِ حن کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تُو مرا باقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیلے کو شبِ بنم
 بخنسیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے





کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر
پوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
تو ہے محیطِ بے لہر ان میں ہوں ذرا سی آنکھ
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
میں ہوں خرف تو تو مجھے کوہِ پر شاہوار کر
نغمہ نو بہارِ المیر نے نصیب میں نہ ہو
اس دم سوزِ لطائف بہار کر
باغِ بہشت سے مجھے علمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپ بھی شرِ مسار ہو، مجھ کو بھی شرِ مسار کر



اثرِ کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
نہیں ہے ادا کا طالب یہ بندِ آزاد
نیشہ خال یہ صرصرِ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
ٹھہر سکنا نہ ہو اے چمنِ خمیں یہ گل
یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے بادِ مرا
قصود از غریب الدیارِ نیوں کیں
تراختہ فرشتے نہ کر کے آبا
مری جفا طبعی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چھو سنا

مقامِ شوق تے قدیموں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۴۸
بالِ جبریل
۲۲



کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
 وہ عشق جس کی شمع بجھائے اجل کی چوٹی اُس میں مزا نہیں شبنم و تفتن دار کا
 میری بساط کیلئے تبتاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
 کرپے مجھ کو زندگی بسا دو اعلیٰ پھر فوق و شوق و میحہ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لٹک لٹکال ہو
 یارب وہ درو جس کی لٹک لٹکال ہو



دلوں کو مرکز مہر و منار
 حریم کبریا سے آشنا کر
 جسے نام جوین بخشش ہے تو نے
 اُسے بانٹوئے حیرت بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خال اخروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے ہار بھری شکل نہ بن جائے
نہ کروں مجھ کو مجبور نہ افروں میں جو ریں
مرا سوز و زوں بھیر کر محسن نہ بن جائے
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے اسی کو
کھٹک سی ہو سینے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ ہو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ دُنبال کہ حاصل نہ بن جائے

عروج اوج خالی سے انجم سمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار اس کا مل نہ بن جائے



وگر لوں سے جہاں تاروں کی روش تیرے ساقی
دل ہر ذرہ میں غم غارتے رستا خیر ہے ساقی
مستاع دین و دانش لٹ لٹی اللہ الوں کی
یہ کس کا فراوان گستاخوں ریز ہے ساقی
وہی پرینہ بیاری وہی ناکسلی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

۳۵۰
بالِ مہرِیل
۲۶

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس
 نہیں کیا امیدِ قبّال اپنی کشتِ ویران سے
 کہ پیدا کی تری لب تک حجابِ بیز ہے ساقی
 وہی لبِ گلِ ایران وہی سیرِ بیز ہے ساقی
 ورنہم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا سیری نوالی دولت چو بیز ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہندوئے میخانے بند
 مری سینے غزل میں تھی فانی ساقی
 شیرِ مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 عشق کی تیغ جگر و ار اڑالی کس نے
 سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیا
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رکھ
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی
 اسباب سے ترافض ہو جام اے ساقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 رہ لئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی
 ہونہ روشن تو سخن مراد اے ساقی
 ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و رباب
 کدائے مے کدہ کی شان بے نیازی کچھ
 مرا سبوجہ غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں دل و لالہ فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ ہو
 سکوت کوہ ولسجے و لالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیواں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے لہو
 کہ دل سے بٹھکے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے لہر کا ضمرو
 نگاہ شاعر نکس نوامیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو سوز ارزو مندی
 ترے از او بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے اوارق کوئے محبت کو
 مقام بندگی دے نہ لوں شاخ اوندی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جسنے کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری یہ پیوندی

۳۵۲
 بال جبریل
 ۲۸

گزراوقات کرلیا ہے کیوہو بیاں میں
 فیضیاں نظر تھا یا لبت کی امت تھی
 کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کاراشیاں بند
 رکھائے کس نے اسمعیل کو ادب فرزند
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوند
 مری شاطلی کی لیا ضرورت حسن سنی
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جانبی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیتان عصر حاضر کہ بنے ہیں رُسے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیک کا تازیانہ
 نہ اداس تے کافرانہ، نہ تر اش آزارانہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نفس نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے لہوں میں نہ رہی مے مغنا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جلد شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
 ترے بند پروری سکے دن گزر رہے ہیں
 مرے خال و خوں کے ٹونے یہ جہاں چھایا پیدا
 مرے چم غمیرا سے بھی اثر بہار سمجھے
 تری بند پروری سکے دن گزر رہے ہیں





ضمیر لالہ سے لعل سے ہو اسی سیر
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پر سیر
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 کیسا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرور
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز
 کسے خبر ہے کہ ہنکار نہ نشو ہے کیا
 ترمی نگاہ کی لرزش ہے میری رشاخیز
 نہ چھین لذت استحکام کہی مجھے
 نہ لرزگہ سے تغافل کو التفات اسیر
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسم گل
 صدائے مرغ چمن ہے بہت نشاط انگیز
 حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 زمانہ باتوں ساز و تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 مے کا کچھ نہ آیا کیسا دل نے نوازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ مکان لامکاں ہے
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ ترمی کثر ساری
 اسی کشمکش میں لرزیں مری زندگی لی اہیں
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب آبی

وہ فریبیہ شاہیں کہ پلاہو لکڑوں میں
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں
 نہ فیستہ سلطنت میں کوئی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ بازئی وہ نگہ کی تیغ بازئی
 کوئی کاروان ٹوٹا کوئی بدکھاں سرم
 کہ سپہ کاروان میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں گاہ زیر آسمان سمجھا تھا
 بے حجابی سے ترمی ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
 کاروان تھک کر فضا کے پیچ و نسیم میں لیا
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 کہ کہیں راز محبت پڑہ داریہاے شوق
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا
 اب کل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا
 اک رواۓ نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا
 اس زمین آسمان کے بے لراں سمجھا تھا
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبط فغان سمجھا تھا

تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو آواز حسیل کاروان سمجھا تھا میں

۳۵۵
 بال جبریل
 ۳۱



اک نشن نورانی اک نشن برہانی
 اس پیکر خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغان سیری پہنچی ہے ستاروں تک
 نقش اگر باطل تکرار سے کیا حال
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افزائے زندگی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے چھی صنم خانے میرے چھی صنم خانے
 دو دنوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی

ہے نشن برہانی حیرت کی منورانی
 میرے لیے شکل ہے اس شے کی گہمانی
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو غیزل خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے دم کی یہ زبانی
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نہاب سلمانانی
 نادواں جسے کہتے ہیں تہمت دہر زندانی
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی



یارب ایہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجر کا بھی ہے ہاتھ
 تو بربک کیا ہے نہ ہی اہل حسد را
 کیوں غوار میں مڑاں صفا کیش و ہنرمند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسد اند
 او کشت گل و لاله بخشد بہ خرے چند

۳۵۶
 بالِ حبریل
 ۳۲

حاضر ہیں کلیسا میں کباب مے گلاب
 احکام تھے حق ہیں مگر اپنے منہ سے
 فردوس جو تیرے لیے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آوارہ اسدال مراد
 فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیکانے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین حق آتش
 نہوں آتش نمود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطنس رہا زونگو بین و کم ازار
 ہر حال میں یہ ادا دل بے قید ہے حرم

مسجد میں فخر الیاس ہے بجز موعظہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پائند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
 کرے اسے اب چاندلی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سب بھروسے نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملاپ کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے توفے کو کہے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو تھی کیسے خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند

چپ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

اعلیٰ حضرت علیہ السلام اور شاہ خاں دی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بعد کہم سے نورانی ہستی اور نورانی
 کفر و فسق کی بابت بیک وقت ہوتی ہے۔ یہ وہ نظر ہے جس سے ہر ایک کو اپنے اندر کی برائیوں کا کھانا
 ہر روز سید کی بات پر ہر روز علم کے تپنے سے کھانا پکانا کا وہ عطار بنیاد ہے۔

۱. سادگاہ ہر چنانچہ نظرت میں را کو کوا
 غلط تھا ہے جنوں کا یہ تیرا اندازہ کھرا !
 ۲. خودی سے ہر غلبہ رنگ دلو کو توڑ دیکھو
 یہی ترقید تھی جس کو ترسجھا نہ میرے سجھا !
 ۳. تکرہ ہر آغا ملک بھلی عین فرست ہے
 کہ اپنی صوبہ سے بگڑا رہ سکتا ہر دربا
 ۴. رتابت علم و عرفان میں : غلط بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کر بھی ہے رتبہ اپنا !
 یہی ہے ہر درویش کی کہ ہر روز کر رہی ہے

۳۵۸
 بال جبریل
 ۳۴

۵. نہ کرنا تقلید آج ہر ملیرے جبریل کی
 تنہا ہر شیوہ کر ڈر دیکھو وہاں سے
 ۶. ہر کوئی اگر غلو رکھتا ہے ترستنا
 ہر ایک کے ہر نیلے مشرق و مغرب کے بھانے
 ۷. ہر سال اس تو اپنے پیچیدہ دہانے ذوق ہے جھپٹا !
 ہر ایک کی شمع حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
 ۸. ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں
 ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں
 ۹. ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں
 ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں
 ۱۰. ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں
 ہر ایک کو تو کوئی شمس کے نور میں

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید المونسین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ رحمت میں کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حلیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی لی گئی ہے، اُس دُرِ سعید کی یادگار میں
سپردِ قلم کیے گئے:

ما از پے سنائی و عطارِ ایم

سماکتا نہیں پہنتے فطرت میں مراسوا
غلط کھتا ہے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھانہ میں سمجھا
نکدہ پیدا کرے غافلِ تجلی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فن میں غلط بینی سے منہ سبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھتا ہے قیاسی
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتا تھیں اسے جبریل میرے جذب مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مینخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلالِ قیصر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الزنج لھاتا ہے
 گلیم بوڑھو و ذوقِ اویسش چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

ندا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چینیوں احرام و ملی خفستہ درخت !
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سمپانہ الا
 و بارگھا ہے اس کو زخمہ در کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا و اوپلا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج شند جولاں بھی
 ننگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوق حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب لہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مروانِ حسد کی آنکھ ہے بینا

* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت کے
 زلمے کے سمندر سے نکالا لوہرِ نروا
 فرنگی شیشہ کر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حنا را
 رہے ہیں اور ہیں عمن میری لکھات میں اب تک
 مگر کیا نسیم کہ میری استیں میں ہے یہ بیضیا
 وہ چنگارِ خی و خاشاک کے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خوشتنِ مبنی، محبتِ خوشتنِ داری
 محبتِ استانِ قصید و کسری سے بے پروا
 عجب کیا کر مر و پرویں کے پنجپہر جانیں
 کہ فرستہ ال صاحبِ دولتے بستم سر خود را

۳۶۲
بالِ جبریل

۳۸

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

وہ دانستے سب ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشایا و غوغا وادی سینا
 نگاہِ عشق وستی میں وہی ازل وہی آخر
 وہی شرک وہی شرفان وہی سین وہی طہ
 سنائی کے ادب سے میں نے غوغا صحن کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لوگوں سے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاط نگہیز
 گرفتار بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اب حجبِ قہقہہ فی میں وہ فقر نہیں ہوتا
 اے سلفہ درویشان! وہ مرخدا کیسا
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملکیت آثارِ حسنوں بیدا
 اندیشہ وانا کو کرتا ہے حسنوں آئینہ
 ناچختہ ہے پر پریمی بے سلطنت پرور
 خون دل شیران جو جس فقر کی دستاویز
 ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں ارق و پارس
یہ کافر مندی ہے لے تیغ و سنان خون ریز



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مال و نگاہِ بند و ستی شوق
سبقِ ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراخیِ فداک میں ہے خوار و زبوں
خومی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گمراہوں
کہ اسی ہے مادمِ صدائے کن فیکون
تری خروپہ ہے غالبِ سرنگیوں کا فصول

اُسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے میرے لب و لہجہ جھول

۳۶۴
بالِ جبریل
۲۰



عالم آب و خال و باد استرعیان ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شب و روز و عزم کہتے ہیں زندگی ہے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں اُس کی ازاں ہے تو کہ میں
 کس کی نو کے لیے شام و سحر ہیں کریم
 شانہ روزگار پر بار گراں سے تو کہ میں
 تو کفِ ناک و بے بصر، میں کفِ ناک و خود نگر
 کشت و جو کے لیے اسب رواں ہے تو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کر میں ہے قیدِ معیتِ ام سے لزر
 مہر و حجاز سے لزر، پاسِ شام سے لزر

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ چہرِ بام سے لوز، بادہ و جام سے لوز
 کرچہ ہے دلکش بہت حسنِ فرناں کی ہر
 طائرِ بلبلِ دہانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے کشادہ شرق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امینِ ازل ہے مژانِ حشر کی روشنی
 کہ جبریل سے ہے اس کو نسبتِ عیشی
 کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہِ کرم کہ شیریں جس چوٹ اڑ جائیں
 نہ اہِ سُر کہ ہے کو سفندی و میشی
 طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نمیشی

۳۶۶
 بالِ جبریل
 ۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان مال جسے
یہ نیک و نیک یہ لہو آب و ناس کی ہے بیشی



پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
پھول ہیں صحرا میں یا پر پانِ قطار اندِ قطار
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی با و صبح
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نعتابی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرِ غرِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرتی کارِ ج

مجھ کو پھر غموں پہ اُکسانے لگا مرغِ حمن
اُڑے اُڑے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ حمن
اور چمکتی ہے اس موتی کو سو ج کی کرن
ہوں اگر شہرِ سک کے سارے تو شہرِ اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو اُمل و فتن
تن کی دولت چھاؤں کے آتائے دھن جاتا دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی لڑ گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غم کے آگے نہ من تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حسنِ عالم لیر ہے مروان غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مکتب سے
سبقِ شاہینِ بچوں کو دے رہے ہیں خاکِ باری کا
بہت منت کے پنچھروں کا اندازِ ننگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریشِ ہبازی کا
قلندرِ جزو و حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں لھتا
فقیہِ شہرِ قاروں ہے لغتِ ملتِ حجازی کا
حدیثِ بادہ و سنا و جامِ آتی نہیں بھلو
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضِ شیشہ سازی کا

کہاں سے تونے اے اقبالِ سیکھی سے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں بُرم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و غم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شہنشاہِ دل میں طبعِ سحرِ باوجودِ کفرِ کلام
اپنے رازِ کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بالِ جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسا ہی شکم سامان ہو
فصلہ میرا تے ہاتھوں میں دل یا شکم
اے سلمان! اپنے دل سے پوچھ لے نہ پوچھ
ہو لیا اللہ کے بندوں سے عین خالی حرم



دل سوئے خالی ہے نیک پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
بے وقت تجلی بھی اسی خال میں نہیں ہے
خافل! تو نیرا صاحب اور مال نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سہرا فرنگ کے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے غم نال نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
کب تک رہے محکومی اسم میں مری خال
یامین نہیں، یا گردشِ افلاک نہیں ہے
بجلی ہوں نطن فوہ بیاباں ہے میری
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جان باز کی سیرا
مومن نہیں جو صاحبِ لولال نہیں ہے!



ہزار خوف جو کہیں زبان ہو دل کی رسیق
یہی ہمارے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں کے زیادہ شرب خانیں
 علاج ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
 غریب اگرچہ ہیں ازلی کے غلتے ملتے و قیوت
 خدا کے لئے شیعہ کو بھی تو مسیق
 نفل میں اس کی ہر بات تاج عتیق
 ہزار شکر لے ملا ہیں صاحب دیق
 نہ ہو تو مرد سماں بھی کافی و نزدیک
 اگر ہوش تو ہے نہ بھی سلمانی



نو چھپا سکے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
 کافی ہے مسلمان تو نہ شایہ فقیری
 نو صاحب نسل ہے کہ بھٹکا ہوا رہی
 کافی ہے توش شیریں کرتا ہے بھروسا
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیر میں بھی شایہ
 کافی ہے تو ہے تابع تہمت در مسلمان
 مومن ہے تو وہ آپ کے تفت در الہی

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چا
 دیرینہ تہیہ راضی کو نکاہی

۳۷۰
 باب جبریل
 ۲۶



(قرطبہ میں لکھے گئے)

یہ خوریانِ سنہ زنی، دل و نظر کا حجاب
دل و دھڑکنے کا سفینہ سنبھال کر لے جا
جہانِ صوت و صدا میں سانس نہیں سکتی
سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہ
وہ سجدہٴ روح زمیں جس کے گناہ چاتی تھی
سُنی نہ مصر و فلسطین میں، اذواں میں نے
ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر سیرا
بہشتِ مغربیاں جلوہ ہا پاکہ کاب
مستارہ ہیں محسوس جو میں خواب
لطیفہٴ ازلی ہے فغانِ چنک و رباب
فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
اُسی کو آج ترستے ہیں منبرِ محراب
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہٴ سیما
مری نوامیس کے سوز و سرورِ عہدِ شبا



دل بیدار فاروقی، دل بیدار کزاری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
بسر آدم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
نہ تیر خیر ہے کارائی میر خیر ہے بیکار

۳۷۱
بالِ جبریل
۲۷

شام سیر سے ملتے ہیں صحرا میں نشان اس کا
 اس اندیشے سے ضبط ہے کہ تار پوں تک
 خداوند تیرے سا وہ دل بس کہ حیرت میں
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
 نطن تھیں سے ہاتھ آتا نہیں آتے تار می
 کہ منہ زانو لے جاتیں ترمی قسمت کی چکاری
 کہ درویشی بھی عساری ہے سلطانہ بھی عیاری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

توالے مولائے شربتِ آبِ پیری چاہے ساقی
 مری اس کے افریقائی میرا ایک سے زنجاری



خودی کی شوخی و شندی میں کس پر ناز نہیں
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے اوائے محبوبی
 سوال سے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکارِ مردہ سزاوارثِ شاہِ باز نہیں
 کہ بانہ صویرِ سرفیلِ دل نواز نہیں
 کہ طیسرے رقیقہ زندانِ پال باز نہیں
 سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
 میں خود لہوں تو مری استاں و راز نہیں
 اک ضمطِ آبِ سلسلِ غیاب ہو کہ حضور

۳۷۲

بالِ جبریل

۲۸

اگر جو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبور عجم
فغان نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہ ناسزا بشکریاں شکستہ صف
تیرے محسوس میں کہیں ہر زندگی نہیں
عشق بتا کے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے لیا بیاں لرون ستر مقام مرل عشق
صحبت پیروم سے مجھ پہ نوازیہ از فاش
مثل کلیم ہو اگر مع کہ از مالوئی
خیر نہ کر کا مجھے جلوہ دہش فرنگ
آواہ تیریم شش بسک نہ ہو کوئی ہدف
ڈنٹو چکا میں موج موج ویکہ چکا صد فصد
نقش و نگار ویر میں مخم جگر نہ کر لطف
عشق کے مرل با شرف مرل حیات شرف
لاکھ حکیم نہ بھیت ایک کلیم سب جف
اب بھی دخت طوس سے اتنی ہے بانہ لا
دست ہے میری آنکھ کا حال بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کرچہ تھی شیر کی تیری
دھچھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آج سحر خیزی

۳۷۳
بال جبریل
۲۹

کہیں سہ ماہہ محفل تھی میری گرم گفتاری
 کہیں سب پریشان گویا میری کلم امیری
 زمام کارِ رمزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر لیا
 طریق کوہن میں بھی سی جیسے ہیں پروری
 جلالِ پاؤں شاپی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
 جد ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چندیزی
 سوادِ رومۃ الکبریٰ میں ولی یا داتی ہے
 وہی عبرت ہی عطلت پریشانِ الٰہی



یہ دیر کس کیا ہے انبارِ خس و خاشاک
 مشکل ہے لہذا اس میں بے مالہ آتش ناک
 پنجہ میرِ محبت کا قصہ نہ سیرِ طعنی
 لطفِ خدشہ بچان اس کو دفنی
 کھویا کیا جو مطلقِ بخت اور دولت میں
 سمجھے نہ توجہ تک بے رنگ ہو وراں
 اک شریعِ سلماں اک جذبِ سلماں
 ہے جذبِ سلماںی سرِ فلکِ الافلاک
 اے ہر و منہ نہ اے بے جذبِ سلماں
 نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقین نہ مال
 رمزیں میں محبت کی تسخیر بے باکی
 ہر شوق نہیں ستاخ ہر جذب نہیں بے باکی

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بسنوں میرا
 یا اپنا کریں حال یاد ہن زرداں حال

۳۷۴
 بالِ مہرِیل
 ۵۰



کمال ترک نہیں آگے کل مجبوری
 میں ایسے فقے کے اے اہل حلقہ باز آیا
 نہ فقے کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 سنے نہ ساقی نہ شش تو اور بھی تھا
 حکیم و عارف و صوفی تمام مست ظہور
 وہ ملتفت تھے تو کونج قفس بھی ازادی
 بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اے
 کمال ترک ہے تخیل کی ونوری
 تمہارا فق ہے بے دلتی و رنجوری
 وہ قوم جس کو نواہست سماع سمیوری
 عیار کرمی صحت کے عروج و زوری
 کسے خبر کہ تختی ہے عین ستوری
 نہ ہوں تو صحن چمن بھی مقام مجبوری
 فرنگ دل کی خرابی خرد کی سموری



عقل کو آستان سے فور نہیں
 دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب
 علم میں بھی سرور ہے لیکن
 اس کی تعذیر میں حضور نہیں
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ہاں سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضور می ہے تیری موت کا راز
 ہر گھر نے صدف کو توڑ دیا
 'اُرنی' میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحبِ سہرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ہاں سبوری نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسمِ سببِ لہروں کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
 تریعتِ نام کو انجمنِ شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چھپانا

تو اب جو اسے سمجھتا کہ تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارت کنگارہ نہیں
 مگر یہ چھ سہ مرد و بیچ کا رہ نہیں
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
 تری نگاہ میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں
 وہ سپہنِ مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضب عینِ رحم نہیں کیلئے فطرت
کہ عملِ ناب میں شش تو ہے شرار نہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجودِ کماہی
ترمی زندلی اسی سے تری ابرو اسی سے
نہ دیا نشانِ سنزل مجھے اے حکیم تو نے
مرے صلت سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں
یہ معلوم ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو
تو نہا کھ ہے شکاری ابھی ابتداء تیری
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عافوں کا ہے مہم پادشاہی
جو رہی خمی تو شاہی نہ رہی تو رویاہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تو نہ رہ شین نہ راہی
وہ کدالہ جانتے ہیں وہ رسم کجکلاہی
کہ مجھے تو خوشن آ یا یہ طریق خانقاہی
نہیں صلیحت کے خالی یہ جہان مرغ واپہی
لغبت غریب جب تک ترا دل نہ دے غم اپہی



ترمی نگاہِ فرمایہ ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہلِ در نے ترا
ترا کٹ نہ کہ نخیلِ بلند کا ہے کناہ
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کلم ہے خدائی تلاش کر غافل !
 حدیث دل کی روشنی کیسے ہو چھپ
 برہنہ ہے تو عنبر بند پیر
 نہ ہے ستارے کی گردش بازی افلاک
 اٹھا میں رس و خافہ عین نمک

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ
 خدا کرے تجھے تیرے مقام کے گاہ
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نکاہ



خوف کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
 ہر اک مقام کے مقام ہے تیرا
 کران بہا ہے تو جو غفلت خودی کے ہے نہ
 رکوں میں گردش خوں کے اتر تو کیا حاصل
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کہتے تھے تیرے بے ارنہک
 بڑا الیم ہے قہر ال بے انو الین

ترا علاج غفلت کے سوا کچھ اور نہیں
 حیات فوق سف کے سوا کچھ اور نہیں
 گھر میں اب کے سوا کچھ اور نہیں
 حیات سے بے جگر کے سوا کچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سوا کچھ اور نہیں
 وہ سے متاع ہنس کے سوا کچھ اور نہیں
 عطا شعلہ شکر کے سوا کچھ اور نہیں

۳۷۸
 بال جبریل
 ۵۲



نگاہِ مست میں شانِ سکندری کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیری
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے جو اہلِ کج نصیب
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے منہ سیلِ لہر کا
 اسی خط سے عتابِ نلوں کے مجھ پر
 کہے نہیں تیرے لئے سرورِ لیکن
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندرِ میری
 خراج کی جو لدا ہو وہ قصیری کیا ہے
 مجھے بت تو سی اور کانِ میری کیا ہے
 خنہ سریں رو شیں بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لبِ میری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ سکندری کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سرورِ میری کیا ہے
 ولہ نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیستِ دل پر شرِ شعلہ محبت کے
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ سپن
 نہ سیرِ گل کے لیے نہ اشیاں کے لیے
 جہاں سے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خارِ خوش کے لیے ہے نہ ریتاں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک
 تر اسفیند کہ ہے بھر بے لکڑاں کے لیے
 نشان راہ دکھاتے تھے جوتاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نگوہ بست سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رخت سفر میر کا و اس کے لیے
 ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم کے اسے
 بڑھایا ہے فقط زریب ہستیاں کے لیے

مرے جلو میں کے ال نغمہ جبریل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے



تو اے اسے میر کاں! لامکاں کو دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ ترے خاک و اس کو دور نہیں
 وہ مرغزار کہ بنیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ ترے اشیاں کو دور نہیں
 یہ ہے حلاوتہ علم قلم سحری حیات
 خدائے جنت ہے بسکین لیاں کو دور نہیں
 فصاحتی مڑ پر ویں سے ہے ذرا اس کے
 قدم اٹھائے امت اسم آسمان کو دور نہیں
 کہے نہ راہ سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اہر و نکتہ واں سے دور نہیں



(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظر حلیمانہ
 نہ بادہ ہے نہ صراحتی نہ دورِ پیش
 سسکا تی عشق نے مجھ کو حدیثِ رند آ
 مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
 فقط نکاح سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
 کہ میں چوں محسوسم از دُورِ مہینہ
 اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ نسیمِ سر
 سب شناہیں یہاں ایک میں چوں سبکا
 کوئی بتائے مجھے یہ عیاں ہے کہ حضور
 مے جس بنوں کو سنبھالے الریہ رانہ
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مقامِ عقل سے اس کا لڑ کیا اقبال
 مقامِ شوق میں لھو یا لیا وہ فرزانہ



افلاک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
 کرتے ہیں خطا بآخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 سینا نہ یورپ کے دستور نزلے ہیں
 کیا وید نہ ناوڑ کیا شوکت سموری
 خلوت لی ٹھری کزری خلوت لی ٹھری آئی
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 لاتے ہیں سحر اول دیتے ہیں شراب آخر
 ہر جاتے ہیں سب دفتر غرق مے کتاب آخر
 چھٹنے کو ہے جہل سے آغوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چیز راہی
 تو مرد میدان تو ملیش سر
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 نور می حضور می سیر سپاہی
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 دنیائے دُوں کی کب تک عندا می
 یہ بے سوداوی یہ کلم نکاحی
 یار اہم سبھی کر یا پاؤش راہی
 چیرم کو دیکھا ہے میں نے
 لڑا رہے سوز، گفتار و راہی



ہر چیز ہے محو خود نائی ہر روزہ شہید کبریا نئی
 بے ذوق نمود زندگی، موت تعمیر خودی میں ہے حنائی
 راتی زور خودی سے پرست پرست ضعف خودی سے اتنی
 تارے آوارہ و کلم ایسے تحت دیرو وجود ہے جُدا نئی
 یہ پھیلے پہر کا زور و چپا بے راز و نیاز آشنائی
 تیری قسندیل ہے ترا دل تو اُسکے اپنی روشنائی
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمود و سیما نئی
 ہیں عقدہ کشا حینِ صبرا کلم کر کلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر وشن زبانا ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 تعمیریاں سے میں نے یہ از پائیا اہل نوا کے حق میں کجلی ہے اشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کدائی
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارث باقی نہیں تھیں
 کفایتِ لب نہ، کردارِ تہا نہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا لکھا ہے یہ جذبِ قلندرانہ

رازِ حرم سے شاید قہرِ بالِ باخبر ہے
 ہمیں اس کی نفست کو لے اندازِ محرانہ



خروشنڈوں سے کیا نوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں ہوتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کہ لب نہ اتنا کہ ہر تہ سے پہلے
 خدا بندے سے خود نوچھے بتا تیری ضحیا کیا ہے
 مقامِ نفست کو کیا ہے الر میں لمبی کرہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری لمبی کیا ہے

نظر آئیں مجھے تقدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شیں مجھ سے چشمِ مرہ سالیانے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنی اس زمانے میں
 تو قبال اس کو سمجھتا مقامِ سیرِ یالیانے
 نوائے صبح کا ہی نے جس کو خوں کر دیا سیرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا لیانے!



جب عشق سکھاتا ہے آدابِ اکا ہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو عزالی ہو
 نو میدان نہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ!
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر کا ہی
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے وقوف نہیں ہی
 جس رُزق سے آتی ہو پُراز میں عاتہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

وارا سکندر سے وہ مرو فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
آمین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا بس شوخ نے محراب مسجد بچہ
یہ دواں گم لئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تاشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ لسی جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ مڑتن آساں تھا ہتن آساں کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی محنت کے بعد آخر وہ شاہینِ یزدان آیا



نہ ہو طغیانِ شتاقی تو میں ہوتا نہیں تھی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیانِ شتاقی

مجھے فطرت نے تو اپنے سے پہچان کر رکھا ہے
 وہ آتش آج بھی میرا شمع بن کر رہا ہے
 نہ لڑا فرما کا اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 خزاں میں بھی لے لے لے لے لے لے لے لے لے

اُلٹ جائیں گی تیریں لعل عین کی تقدیر

حقیقت ہے نہیں تیرے تخت کی یہ خدائی



فطرت کو خود کے زور و کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بے سیرانہ
 غریباں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
 تسخیرِ مستام زماں و بوکر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ مستام آرزو کر
 چالِ گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو سکا وہ ٹولا



یہ سپرین کلیسا و حرم اے وائے محبوبی !
صلہ ان کی لہو کاوش کھائے سینوں کی بے زنی
یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ماتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری
کبھی حیرت، کبھی سستی، کبھی آہ و تحسین
بدلتے ہے ہزاروں رنگ میسر اور مہجوری
حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری
وہ اپنے حسن کی سستی سے ہیں محبوب پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بستوری
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ سیوسی

فقیرانِ سرم کے ہاتھ قرب ال ایک کلمہ
میسٹر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر دانش حاضر نے کیا بحرِ قیم
عقل عیت اپنے سو بھیس بنالیتی ہے
عشش سنزل ہے غریبانِ محبت چرام
ہے کراں سیرِ غم راحلہ و زاوے تو
کزر اس عین ممکن نہیں بے چوبہ
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
سبافرہین بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
کوہ و دریا سے کزر سکتے ہیں مانند نسیم
مرد و ریش کا سر یہ ہے ازاد می مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں فیضِ سائیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
یہاں سیلٹوں کا رواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بے پروا رہے کام تیرا
 ترے سامنے سماں اور بھی ہیں
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہا
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 کہتے دن کہ نہ تھا میں جس میں
 یہاں اب کے رازواں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

دھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہان کا دوام
 وائے تمنا تے خام وائے تمنا تے خام
 چیرم نے لہا جس مری ونداو
 پختہ ہے تیری فغان اپنے لئے ل میں تھام
 تھا ارنی کو کلیسہ میں ارنی کو نہیں
 اس وقت اضر او مجھ پتہ اضم
 کرچہ افشا تے راز اہل نظر کی فتن
 نہوسیں سکتا کبھی شہ یوزندانہ عام
 حلفت صوفی میں لڑے ہم بے زوسا
 میں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی بھیجی تھی تمام میں بھی بھیجی تمام
 آہ کہ لکھو یا لکھتے تھے قریبی کاراز
 ورنہ یہ مال فقیر لطفنت بوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرت جبریل
 عذاب و آتش حاضر ہے باخبر ہوں میں
 فریب خجہ وہ منزل ہے کاروان ورنہ
 نظر نہیں تو مجھے سلفہ سخن میں نہ بیٹھ
 مجھے دوسرے فرنگ آج یاد آتے ہیں
 اندھیری شب ہے جد اپنے قافلے سے ہار تو
 کہ جو عشق محکم تو حضور اسفیل
 کہ میں اس آل میں الایا ہوں مثل نسیل
 زیادہ احسن منزل کے نہ شکار حیل
 کہ گزرتے تھے خودی میں شال تیغ ایل
 کہاں حضور کی لذت کہاں حجاب لیل
 ترے لیے مرا شعلہ نواہن دیل

غریب ساوہ زنجیں سے ہواستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسعیل





مکتبوں میں کہیں عسائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہِ وصال اور بھی ہوتا ہے؟
کوئی اس قافلے میں تافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خیر سے یہ ہے حیرتِ دینِ وطن
اس زمانے میں فحاشیِ حشرِ لڑا بھی ہے؟
علم کی حکایت ہے بنِ قوم کے لیے
لذتِ شمعِ حق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حیات نہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سُست بنایا بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے؟



حادثہ وہ جو بھی پڑے اس لال میں ہے
عکسِ کس کا مرے آئینہ اور اک میں ہے
زیتارے میں ہے نہ کروشنِ افلاک میں ہے
تیر ہی تھی تیرے نالہ بے بال میں ہے
یا مری آہ میں فحاشیِ شرِ زندہ نہیں
یا ذرا نام ابھی خیرے خوش خاشاک میں ہے
کیا عجیب یہی نوا ہے کفر سے
زندہ ہو جائے وہ تشریفِ تری خال میں ہے

۳۹۲
بالِ جبریل
۶۸

توڑ ڈالے کی یہی خاک طلسم شبِ روز
گرچہ کبھی ہوئی تقدیر کے پیکار میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں موزمشتاقی	فسانہ ہائے کرامت روکتے باقی
خراب گوشہ سلطان خانقاہ فقیر	فغاں کہ تختِ صوفی سالِ زرقی
مرے کی اور محشر گوشہ ساراں روز	کتاب صوفی و ملاکی ساوہ لورقی
نہ چینی و سربلی وہ نہ رومی و شامی	سما سکانہ و عالم میں مردِ آفاقی
مے شبنامہ کی مستی تو ہو چلی لکین	کھٹکٹا ہے لہو میں در شمعِ ساقی
چمن میں تلخ نوائی مری لوارا کر	کہ زہر بھی کبھی لرتا ہے کارِ تریا قی
عزیز تر ہے متاعِ امیر سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو جلی کا سو بڑا قی



ہو نہ زور سے اس کے کوئی لریباں چاک
گرچہ مغربوں کا خون بھی تھا چالاک

۳۹۳
بالِ جبریل
۶۹

مے یقین سے ضمیر حیات سے پر نور
 عروج آدم حسانی کے منتظر ہیں تمام
 یہی مانہ جانسری کائنات کے کیا
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نہکا بھی ہے
 زمانہ تسل کو سمجھا ہوا ہے شعل راہ
 جہاں کام میراث مر مومن لی
 نصیب سید برب آیت شریک
 یہ کہستان ستارے یہ سیلکوں افلاک
 مانع روشن دل تیرو فوج بے بال
 ولزنا اک ہے مومن جہاں خوش خاشاک
 کئے خبر کئے خبر بنوں بھی حسابہ اور اک
 مے غلام چختے شکتی لولال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر یک دن
 یا سنج و طعن ندر کا انہیں جہاں لیری
 یا حیات فارابی یا تاب و تب رومی
 یا عقل کی روباہی یا عشق ید اللہی
 یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی
 میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
 یا کسی و ازادی لے سمت مروانہ
 یا مروست لندر کے انداز ملوکانہ
 یا فکر حکیمانہ یا جذب حکیمانہ
 یا حیلہ اسیرانی یا حملہ ترکانہ
 یا نعرہ مستانہ یا عجبہ مولد بت خانہ
 کچھ کام نہیں بنتا بے جرات زندہ



نہ تخت تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے
 صنم کہ ہے جہاں اور مروت حق ہے خلیل
 نیکت وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 رہ و ستارے کے مقام ہے جس کا
 وہ شست خاک ابھی وارکانہ میں ہے
 خبر ملی ہے حن دیاں بھروسے مجھے
 فرنگ کہ زریں بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری آہ صوبہ گاہ میں ہے

مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ باوہ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بختاب مجھے اندیشہ چالا
 رکھتی ہے ملر طاقت پر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفت اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کے قبا چاک

وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی
چھتی نہیں پہنائے چمن خستہ خاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں عرق نما



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سونے کو فہم و بند
یہ مدرسہ جو اس سے دور و رعنائی
انہی کے دم سے بچتا ہے قزاق آباد
یہ فلسفی سے نہ ملا ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ فطرت کا فہم
فقیر شہر کی تحقیق کیا مجال می
مگر یہ بات کہ میں ٹھنڈا ہوں دل کی نشا
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاش رموز تندرستی میں
کہ فکیر مدرسہ خانقاہ جواز
رشی کے فاقوں کو تازہ برہمن کا طہسم
عصانہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلجھاتا ہے واجبند وندی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو
سلجھاتی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے



جیتا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نمی سازی میں بھی نمی سازی
جس سر کے میں ملتا ہوں غازی
حرفِ محبتِ ترکی نہ تازی
کاغذِ سیلاں حنا را لہ بازی
باقی ہے جو کچھ سب خال بازی

نئے سرہ باقی، نئے سرہ بازی
روشن ہے جامِ شیدا ب تک
دل ہے سماں میں سدا نہ تیرا
میں جانتا ہوں انجام اُس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آزاد کا پیشہ حنا را تراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے



والتے وہ رہو کہ ہے منتظرِ راحلہ

کریم فغاں ہے جبریں اٹھ کہ لیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
تیرے موافق نہیں خالق ہی سلسلہ
دل ہو غلامِ حشر و یالہ امامِ حشر
اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اس کے
تیرے نفس کی ہوتی آتش کی تیرے
ساکبہ ہوشیار بخت ہے یہ حشر
کہ ہوش اس کا ہے جس کی باں پر
منہ چمن ہے یہی تیری نوا کا



مری نوا سے بچتے زندہ عارفِ عامی
ویسے ہیں زانہیں فوق آتشِ آشامی
حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مریخ
کہ تار تار ہے جسمِ مائے احرامی
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و شامی
مجھے یہ ہے مقامِ رہیں پُختہ کار بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
عجب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
شکوہِ سحر و سحرِ حریفِ دوسطامی

قبل علم ہوئے لطفِ خاص ہے نہ
ترمی نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸
بالِ مہربان
۷۲



چاکر امت سے آگے لڑ لیا مہ نو
 لہاں کس کو میتر نوا ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے و غنچہ و انہو ابھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نکاو کا پیہر
 چپ سکا زخیم باں میں لالہ دل سو
 کہ ساز کا نہیں ہے جہاں بس مہم جو

ہے نہ ایسا غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب جوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے ہر نکامہ فردا کا مقام
 مسجد و محراب و مینار نہ ہیں تہہ کے خموش

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ گہری میں
 جس نایب کے خالی ہے صند کی غوش
 نئی تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت کلو نہ فروش
 صاحبِ زکوٰۃ لازم ہے کہ عن افل نہ رہے
 گلے کا ہے عن لٹا ہنک بھی ہوتا ہے فروش



تھا جہاں سے شیریں شاہد شاہی
 نظر آتی نہ مجھے مت افلا سالاروں میں
 آج آج ان نقہوں میں ہے فقط زوہا ہی
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم الہی
 لذتِ نعمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تابی
 ایک کسری جویرتے سر پر تابی
 ایک کسری جویرتے تمام اکا ہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرشدِ بلند
 کبھٹکتے نہ پھریں شلتِ شبِ بیداری

۴۰۰
 بالِ جبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے نکتہ شہانِ خوش آنک
چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تخت بس
کر بیل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
دنیا نہیں مڑانِ جفا شس کے لیے تنک
جی سکتے ہیں بے روشنی و شرفِ ہنک
بیل فقط آواز ہے طاؤس فقط زنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عمتل و خرد
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم
فقر سمت نامِ نظر، علم سمت نامِ خبر
علم کا موجود اور فقر کا موجود
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حققتِ قلب و نگاہ
علم ہے جو یاتے راہ، فقیر ہے دانائے راہ
فقر میں سستی ثواب، علم میں سستی کناہ
اشہدُ ان لا الہ الا انت لا الہ الا انت!

✽ سلمان بسود و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خوبی
ایک سپاہی کی ضرب تہ تیغ ہے کار سپاہ
دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
تیری نیک توڑ دے آہستہ مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف
خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
یہ تہنق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زبان ہیں فقہیان شہر میرے خلاف
ترپ ہا ہے فلاحوں میں غیب و جنوں
ازل سے اہل حق و کامقام ہے اعراف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گر و کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشف

سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہ خیر بھی نہیں ناصاف



شہر و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

۴۰۲
بال جبریل
۷۸

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ لیا ہے خطیب
الکرچہ میرے شہمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب
سُناتے ہیں نے سخن رس ہے تکر عثمانی
سُناتے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
تکے جن کے نشمن سے ہیں زیادہ قریب

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ اندال میں تجسیرِ مسلسل
یا خاک کے اغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملاً و جمادات و نباتات



کورد

وہ درہم نامہ مانہ !
 کلک کی ادا سودا گرانہ !
 تیرے راہ پرانی پاک
 ہیرا ہر خون کا یہ زمانہ !

۲ حصہ اول

ظہیر بحر میں عورتیں جا
 تیرے جاگتے جاگتے جا پہنچ کھا کھا کر بدل جا
 سہیل کسریں نابھتہ موج پر صحتی تری گت میں آج !
 اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا !

۲۰۳
 بال جبریل
 ۸۰

رُباعیت

رہ و رسم حرم نامحسوس نہ
 تیرے مرا پیرا ہن چال
 کلیسا کی ادا سوداگرانہ
 نہیں اہل حسنوں کا یہ زمانہ

ظلامِ بحر میں کھو کر سنجل جا
 نہیں ساحلِ ترقی قسمتیں اے موج
 تڑپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
 ابھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں
جہاں بیچوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسرتوں میں کلم ہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا انھہ اٹھا لڑ بکوتہ دو
قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پریشاں کاروبار آشنائی
پریشاں ترمی رنگیں نوائی
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل
خوش اتنا ہے کبھی سو خُردائی!

یقین، خلیلِ آتش نشینی
یقین، اللہ ستی، خود کزینی
سُن، اے تہذیبِ باضر کے گرفتار
علامی سے بہتر ہے بستی

عرب کے سوز میں سا عجم ہے
تہی حد تک ہے اندیشہ غرب
حرم کار از توحید دائم ہے
کہ تہذیب بنی جے حرم ہے

کوئی دیکھے تو میری نوازی
نفس ہندی مقامِ ستاری
ننگہ الودہ اندازِ زند
طبیعتِ غزنوی قہمتِ یازی

ہر اک درے میں ہے شاید مگریں دل
اسیرِ دوش و نوا ہے لہین
اسی جلوت میں ہے خلوت نشین دل
غلامِ کر و شش و رانہیں دل

ترا اندیشہ کمالی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
ترمی پرواز لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں بے بالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
 رہا صوفی ہستی روشن ضمیری
 خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
 نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
 خودی کی جستجو میں کبریا
 زمین آسمان کر عرش
 خودی کی دو میں ہے ساری خدائی

نگہ ابھی ہوئی ہے نیک و بومیں
 خرد لھوئی لہی ہے چپا رومیں
 نہ چھوڑے دل فغانِ صبح کا
 اماں شاید ملے اللہ ٹھوٹیں

جمالِ عشق وستی نے نوازی
 جمالِ عشق وستی بے نیازی
 کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر
 زوالِ عشق وستی حرفِ ازلی

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے مری جلی مرا محفل کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خلوتوں میں خدا جانے مستام دل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں میں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے حشا شال سوئی فقط بجلی ہوں میں محال نہیں میں

تمہے سینے میں دم نئے ل نہیں ہے ترا دم کرمی محفل نہیں ہے
گورِ عجل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ نئے منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نورِ مئی پاک ہے تُو سرِ رخِ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے سیدوں ان فرشتہ و حو کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشان سجدے بے وقوف
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے یہاں چھایا
مستم زناں بوجہ کار ز پاچا
بزم کج رساں آشنہ
کعبہ احل سے ہن لھنیچتا جا

چمن میں خست گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے سبز ہے بادِ سحر ہے
گڑب گڑب ہو سکتا نہیں گرم
یہاں لالہ بے سوز جلد ہے

خروے اہر روشن ہے
خروے لیلیٰ ہے چراغِ راز ہے
درونِ جناں سے نہیں لیا لیا
چراغِ راز کو لیا خبر ہے

۴۱۰
بالِ جبریل
۸۶

جوانوں کو مری آہ سرے
پھران شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغان جگہ کاہی
ترمی دنیا میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پاؤں شاہی

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ نعلِ خوب نہیں میں
جہاں بونی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عدالت نہیں میں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ کھاشے ہے اندازِ بیاں ہے
خضر کنوکر بتائے، کیا بتاتے
اکر ماہی کے دریاں ساں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے پہ پہ پوش کبھی غریب و بے تنع و سناں عشق

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر کبھی ہوا شلی خیر شکن عشق

عطا اسلاف کا جذبہ رُوس کر شریکِ زمرد لائیکِ نونوں کر
خرد کی لکھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

نیکیت میں کیسا بوجھ کہ جاں تہی نہیں کہ بدن سے
چماک میں حیاتِ باقی ہے لی اگر بس نزار ہو اپنی کرن سے

۲۱۲
بالِ جبریل
۸۸

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد
خدا جانے مجھے کیا ہو لیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

خدا کی اہم شکرت ہے
وہیکن بندگی استغفرا
خداوند احسان کی دروہ سر ہے
یہ دروہ نہیں دروہ جو بکر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروبر کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
کہوں کیا جا بس اس بے بصر کا
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!

وہ عارف نے صبح دم ہے
الہ کوئی شعیب آئے میتر
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
شہانی سے طہیمی وقت دم ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نہ از روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ 'لن ترانی'
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودا وہی ہمدی وہی آخرِ زمانہ

زمانے کی یہ کروشِ جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
کسی نے دوش کھایا ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ سیرِ زمانہ

حکیمی نہاسلمانی خودی کی حکیمی رمزِ نہپسانی خودی کی
تجھے گرفتِ و شاہی کا بتا دوں غریبی میں نہکسبانی خودی کی

۴۱۴
بالِ ہبریل

۹۰

ترا تن روح سے نا آشنا ہے عجب کیا! او تیری نار ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق خدا سے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطعه

اقبال نے کل اہل خیاں کو سنایا
یہ شعرِ شاط اور وُپر سوز و طربِ نال
میں صُورِ ستِ گلِ دستِ صبا کا نہ نہیں تاج
کرتا ہے مراجعِ شمسِ جنوں میری قبا چال

دعا
مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہو !
صحبتِ اہلِ صفا نور و حضور و سرور
سرخوش و پر سوز ہے لالہ لبِ آنجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو !
میرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا شمع ہیں بھی تو شاخِ شمع بھی تو !
تجھ کے گریباں مرا مطلعِ صبحِ شہور
تجھ کے سر سینے میں آتشِ اللہ ہو !

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَع

(مسجد قطبہ میں لکھی گئی)

ہے یہی میری ناز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتیق
ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
میرا شہین نہیں درلہ میرا وزیر
میرا شہین بھی تو شاخِ شہین بھی تو

تجھ سے لریباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُلتھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و دور و داغ
 تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
 پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویران تمام
 تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سبو
 چشم کرم سا قیام! دیر سے منتظر
 جلدوتیوں کے سب، جلدوتیوں کے لڑو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو طم
 اپنے لیے لامکان، میرے لیے چار سوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا، جسے کہ نہ سکیں روبرو

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کارِ حادثات
سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات
سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پرو رنگ
جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب سازِ ازل کی فغان
جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب، صہیرِ فی کائنات
تو ہو الکریم عیار، میں ہوں الکریم عیار
موتے تیری برات، موتے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُوح جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی و فانی تمام معجزہ ہائے ہر نہ
 کار جہاں سبے ثبات، کار جہاں سبے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
 نقشِ کُن ہو کہ نو، مسنِ نزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا سب ثباتِ دوام
 جس کو لیا ہو لسی مروحہ نے تمام
 مروحہ کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
 شد و سبب سیر ہے لہرِ نہ ملنے کی رو
 عشقِ خوالِ سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے پیکر گل تابناک
 عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کائنات الکرام
 عشق فقیرِ حرم، عشق ایسے جنوں
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے لپا دو امِ جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنک چنک ہو یا عرف و صفت
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد اسوز و سُرور و سرود

تیری فضا دل فرزند میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 لچک لکھ خال کی حد ہے سپہر کبود
 پیکر نوری کو ہے سجده مستر تو لب
 اس کو میتر نہیں سوز و لدا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمۃ اللہ ہو میرے دل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مرشد الی وسیل
 وہ بھی حسین و سید، تو بھی حسین و سید
 تیری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے نجوم نیل

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
تیرا منہ نہایت حبس ہو کہ جب تیرے
منہ نہیں سکتا کبھی مردِ سماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش ہے سیرِ ظہیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیو و وسیل
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے سپاہِ حرمِ حسیل
ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا حقیق، تیغ ہے اس کی اسیل
مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ 'لا الہ'
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
تجھ سے ہوا آتش کا رہندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کارائیں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
 پروں و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد طویل
 اس کی ادا دل فریب اس کی نلکہ دل نواز
 نرم و کم نفست کو، کرم و کم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک بابا
 نقطہ پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلقہ آفاق میں کرمی محسن ہے وہ

کعبہ ارباب فن! سطوت دین نہیں
 تجھے جسے سرم مرتبت اندسیوں کی زمیں
 ہے تہ کروں الحسن میں تیری نظیر
 قلب سماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 آہ وہ مردان حق! وہ عسکری شہسوار
 حامل خلق عظیم، صاحب صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمز غریب
 سلطنت اہل دل فست ہے، شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
 ظلمت یورپ میں تھی جن کی حنڈ راہ ہیں
 جن کے لہو کی طغیانیل آج بھی ہیں اندی
 خوش دل و لرم اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشین

نُوتے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں
اے کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا فتانِ سخت جاں
دیکھ چکا المنی، شورشِ اصلاح دیں
جس نے نہ چھوٹے نہیں شس لہن کے نشان
حرفِ غلط بن لئی عصمت پر کُنشت
اور ہوئی مندر کی شتی نازک رواں
چشمِ فراس میں بھی دیکھ چکی نہتِ لاب
جس سے دل لہ لوں ہوا سنہریوں کا جہاں
ملکتِ رومی تراؤ کہن سنہری پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر عبراں

۲۲۶

بالِ جبریل

۱۰۲

رُوحِ سِلماں میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بحر کی ترے اچھلتے پر کیا
 کُنبدِ نیلوفرِ سری رنگ بدلتا ہے لیا
 وادی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
 لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا فستاب
 ساوہ و پُرسوز ہے دخترِ دہشتاں کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سِیل ہے عہدِ شباب
 اُسب و ابنِ کبیرِ تیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• وادِ الکبیر، قُربطہ کا مشہور دیا جس کے قریب ہی مسجدِ قُربطہ واقع ہے

پروہ اُبھٹا دوں اگر چہ سِرۂ افکار سے
 لائن کے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو نہت سلاب موت ہے وہ زندگی
 رُوح اُنم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں مستعد کی فریاد

معتمد شبلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا۔ سپانہ کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایسٹ میں شائع ہو چکی ہیں۔
 اگلے نفاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دو دم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تعالیٰ بھی !
 عبدالرحمن اول کا بویا ہوا لہجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درخت مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سور ہے تُو
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی چوٹ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ نغمہ ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا متام پر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھتے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تُو خونِ مسلمان کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطنس میں

۲۳۰

بالِ عبریل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
 خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرور تھے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنکے کے خونِ جگر میں!
 کیونکر خس و خاشاک کے دب جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
 عنبرِ لطف بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
 تکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دیکھا یا بھی سُنایا بھی سُنایا
 ہے دل کی تسلی نہ نطنز میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا

(اندس کے میدان جنگ میں)

عین زمی تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحر اوریا
ہمٹ کر پہاڑ ان کی ہست سے آئی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ شائی

خیاباں میں سے منتظر لالہ لب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تُو نے صحرِ آشینوں کو ملکیت
خبر میں لظنِ سر میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کُشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی لظنِ سر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر نہ زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
ننگاہِ سماں کو تلوار کر دے

لینن (خدا کے حضور میں)

اے نفسِ آفاق میں پیدا تھے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری ذات
میں کیسے سمجھتے کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے حسد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اذلی سے
بنیائے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے
تو حنّالِقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیسا کہ افلاک کے نیچے
 کھنڈے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ توجس کا ہے سبود
 وہ آدم حنائی کہ جہے زیرِ سموات؟
 مشرق کے خداوند سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے خداوند خورشندہ فلزات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 رحمتِ انبیاء میں رونق میں صفا میں
 اگر جس سے ہمیں بڑھ کے ہیں نیکوں کی عمارات

۲۳۳
 بالِ ہبیل
 ۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کا لالھوں کے لیے مرلِ مفاجات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیٹتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و غریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں فتنہ نگی مذہبیت کے فتوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخار آت
 ہے دل کے لیے موتِ شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نطن سر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فنکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نطن آتی ہے شرم
 یا عتازہ ہے یا ساعنہ روینا کی کرامات
 توفت اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 میں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سر یہ پرستی کا سفینہ؟
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کبر ازل! ترا نقش ہے تہام ابھی
 خلقِ خدائی لحات میں رند و فقیر
 تیرے جہاں میں ہے ہی کر و شمسِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہر مال مست تیرے فقرِ حال مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
 عشق کرہ نشاے کافیض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردی نیام ابھی

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
 کرمات و غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 سلطانِ بسفور کا آلت ہے زمانہ
 جس کھیت سے ہفتاں کو میسر نہیں روزی
 کیوں خالق و مخلوق میں عامل رہیں پروے
 حق را بسجودے نہ نماں بطول نے
 میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے
 تہذیبِ نوئی کا دلہ شیشہ لہاں ہے
 کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
 کنجشکب فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
 جو نقشِ لہن تم کو نظر آئے مٹا دو
 اس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلا دو
 پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بچھا دو
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
 آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سلھا دو

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’درینج آدم زراں ہمہ بوستان تنہی دست رفیق سوتے بوستان‘

قلبِ وطن کی زندگی وشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و لبو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب
کوہِ اہم کو دے کیا زنگِ بزمِ طلیساں
کرو سے پال ہے ہوا، برگِ نخیل وصل گئے
ریاحِ نواح کا طمہ نرم ہے شلِ بریاں
اک بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے کز رے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا مسم ہے یہی
 اہل فراق کے لیے عیش و دام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں اور غمِ نومی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فخرِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ لا
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے دجلہ و فرات
 عقل و دل و نگاہ کا مرثدا و لیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کہہ تصور ات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
 مسرکہ وجود میں بدرِ حُشین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا معنی ویریاں تو
 نکلتے تری ملاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 خلوت بیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 خلوت بیان مے لہہ لم طلب و تہی لہو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت لھوئے ہواؤں کی جستجو
 باوجود بیاکی موج سے نشوونمائے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو
 خون دل جب کہ سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصت شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را
 نوح بھی تو، تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلہ نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 فترۂ ریک کو دیا تو نے طبعِ آفتاب
 شوکتِ سحر و سلیم تیرے حبِ مال کی نمود
 فقرِ خشنید و بایزید سیرِ اجمال بے نقاب
 شوقِ ترا کرنے ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب، میرا سجدہ بھی حجاب
 تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے دھارے جہاں گردشِ آفتاب کے
 طبعِ زمانہ تازہ کربِ لولہ بے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں سرکہ لہن ہوا
 عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولہب

گاہ بچیدہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، حجب میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی میری نکالے ادب
 کہ میری آرزو فراق، شورشیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جگنو

پروانہ
 پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
 کیوں آتشیں بے سوز یہ مغرور ہے جگنو
 جگنو

اللہ کا شکر کہ پروانہ نہیں میں درِ یوزہ کبر آتشیں بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سُراغ
خودی کے سوز سے بے شبن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار کو نہ منہ روغ و ہزار کو نہ منہ راغ
ہوتی نہ ز راغ میں پیدا بلند پروازی
خرا ب کر لیتی شاہیں بچے کو صحبتِ ز راغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے واغ
ٹھہر سکا نہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و عوش اندیشہ و شکفتہ و راغ



کدائی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شے سر کا والی کدائے بے حیا
تاج پسند ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عسیرانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے آب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چہ یہ زمانہ کی ہوتی
وینے والا لون ہے، مردِ غریب و بے نوا
ماننے والا کدائے صدقہ ماننے یا خراج
کوئی ماننے یا نہ ماننے، میر و سلطان سب کدائے

(ماخوذ از انور می)

۴۴۴
بال جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
 حق ہے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر
 خوش نہ آئیں گے اسے خور و شراب و بہشت
 نہیں فرووس مقامِ بدل و تال و اقول
 بحث و تکرار اس لشد کے بندے کی شہرت
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے بچھا چھڑایا چلی کچھ نہ چلی کھلیا کی پسری
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی ہوس کی اسیری ہوس کی وزیری
 دوئی ملک دوس کے لیے نامرادی دوئی چشم تہذیب کی نابھیری
 یہ محباز ہے ایک صحرائشیر کا بشیری ہے اسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی اروشیری

الارض للہ!

پاستا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترسم سے بادِ سازگار
 خال یہ کس کی ہے کس طے ہے یہ نورِ آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلائی ہے غم سے انقلاب؟

۴۴۶
 بالِ مبریل
 ۱۲۲

وہ خدا یا! یہ زمین سیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں تیری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے تالین ہیں ایرانی
لو مجھ کو زلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس پینہ کو تہذیبِ باختری کی جہلی میں
کہ پایا میں نے استغنائے میں سراجِ سلمانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نوہید، نوہیدِ رُوحِ عالمِ جہلی ہے
انہی سردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عقاب سالخورد
اے ترشہ سپر ایساں فحش چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجیں
جو کبوتر پر چھپنے میں مزا ہے اسے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ گنبدِ بیانی، عیاںِ تمنا
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی
 حنائی ہے ظہیوں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 توشعہ سینائی میں شعلہ سینائی
 توشاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی اک لذت یکتائی
 نعمتِ احسن محبت کا اندر نہ سب ہوا
 ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے لہرائی
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی انگلی
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
 ہے لرمی آدم سے ہر نکاتہ عالم لرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے باوہیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرستی و رعنائی

ساقی نامہ

ہوا خمیرِ زن کا روان بہار
گل و زرسن و سوسن و سترن
جہاں ٹھپ ٹھپ کیا پردہ رنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
وہ جوئے کھٹاں اچھلتی ہوئی
اچھلتی، پھلتی، سنہلکتی ہوئی
رُکے جب تو بے چہرہ رہتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
پلا دے مجھے وہ مے پر وہ سوز
وہ مے جس سے روشن خمیرِ حیات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

ازم بن گیا دامن کو بہار
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
اُٹکتی، پھکتی، سرکتی ہوئی
بڑے پیچ کھسکا کر نکلتی ہوئی
پھاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
کہ آتی نہیں فصلِ گل روزِ روز
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اٹھا سا قیام پر وہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہ زار سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ
پُرانی سیاست کرمی خوار ہے
کیا دور سرمایہ داری کی ہے
کراں خواب چینی سنہلنے لگے
دل طور سینا و فناراں دہیم
مسلمان ہے توحید میں کرم جوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
حقیقت خرافات میں لھو لٹی
لُبھا تا ہے دل کو کلام خطیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدستہ حق میں مرد
نیار ال ہے ساز بدلے گئے
کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ
زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
تماشا دکھا کر مدار می کی ہے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مکرول ابھی تاسے زنگار پوش
بتان عجبم کے پنج باری تمام
یہ اُمت روایات میں لھو لٹی
مکر لذت شوق سے بے نصیب
نُغت کے بکھیروں میں الجھا ہوا
محبت میں سکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر

ہری شاخ ملت ترے غم سے ہے نفس اس بدن میں ترے غم سے ہے

ترپنے پھر ٹکنے کی تو نسیق دے دل مر تضحیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق ہی سہی نظر بخش دے

مری ناؤ لے کر داب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرل و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالہ نیم شب کانپ از
 اُسنکیں مری، آرزوئیں مری
 مری خلوت و انجمن کا لدا ز
 اُسی دیں مری، بستجوئیں مری
 مری فطرت آئینہ روزگار
 مرادول، مری رزم کا جہیات
 یہی کچھ ہے ساقی مستیِ فقیر
 اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹکے اے

لٹا دے، ٹھکانے لٹکے اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی
 اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
 ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
 کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج و دود
 گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
 یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
 یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
 یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
 پسند اس کو تکرار کی خوشیں
 اسی نے تراشا ہے یہ سومات
 کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمنِ فہرین
 مگر عینِ نسل میں خلوتِ نشین
 چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
 یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں
 اسی کے سپاہاں اسی کے نبول
 اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے گہوار چور
 کہیں اس کے پھندے ہیں بیل و خور
 کہیں بستر شاہین سیابِ بند
 لہو سے چلو روں کے آلودہ چنک

کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں ناصبو

فریضہ ہے سکون و ثبات
 تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
 ٹھہرتا نہیں کواں وجود
 کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے ثور از ہے زندگی
 فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
 سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
 سفر زندگی کے لیے ریل و سائ
 سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبائ
 الجھ کر سلجھنے میں لذتِ اسے
 تڑپنے پھڑکنے میں احتِ اسے
 ہوا جب اسے سامنا موت کا
 کٹھن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴
 بالِ جبریل
 ۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں رہی زندگی موت کی لحاظ میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج اٹھی دشت و کھسار سے فوج فوج
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
 بڑتی سینہ جولاں بڑی زو ورس ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دھوں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے راز و رُونِ حیات خودی کیا ہے، بیداری کا نسات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک
 ازل اس لے پیچھے ابد سمنے نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سمنے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں سبک لڑا
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریکب روا
 سفر اس کا انجام آفت زار ہے
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 لہر چاند میں ہے شرر سنک میں
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 نشیب فراز و پس و پیش سے
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر
 ہوتی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا شیمن تھے دل میں ہے
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زیرِ ناب
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 رہے جس سے دنیا میں لہرون بلند
 فروغِ مالِ محمود سے درگزر
 خودی کو نہ رکھ، ایاز می نہ کر
 وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
 کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیتِ خانہ چشم و گوش
 خودی لی یہ ہے منزلِ اولیں
 یہ عالم کہ ہے زیرِ منبرِ ان موت
 جہاں زندگی ہے فقط خور و نوش
 مسافر! یہ تیرا شیمن نہیں

۲۵۶

بالِ جبریل

۱۳۲

ترمی آگ اس خال واں سے نہیں
 جہاں تجھ سکے توجہاں سے نہیں
 بڑھے بسا یہ کوہ لہراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کہ حنائی نہیں ہے سیر و جود
 ہر اک منتظ تیریں طینت کا
 ترمی شوخی فن کرو کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روزگار
 کہ تیری خودی تجھ پہ چو آشکار
 توجھے کیسا بتاؤں ترمی سر نوشت
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 حقیقت یہ ہے جامہ حرف تنک
 حقیقت ہے آئینہ، گفتار زند
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 مکر تاب گفتار کہتی ہے بس

اگر یک سر نموے بر تر پریم
 فروغ تجھ بتی بسوز پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو کا یہی ہے اک حرفِ محرم
 قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا شتاق ہے نہ مان
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواثِ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدِ اجدادِ رسمِ راہِ میری
 کسی کا رالک کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محفلِ قصورِ یہ ہے یا کہ تیرا
 مرا طرہیت نہیں کہ رطلہ لوں کسی کی خاطر سے مشبہ
 میرے حسن و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے
 ہدف سے بیگانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارف نہ

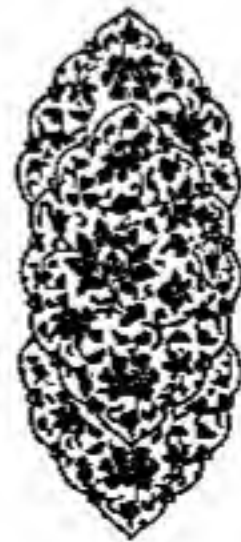
۲۵۸

بالِ جبریل

۱۳۴

شفق نہیں سب رہی افق پر یہ جھٹے خوں ہے یہ جھٹے خوں ہے
 طلوع منہ کا منتظر رہ کہ دوشن و امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غماں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو آئیں ان کی فضا میں ان کی ہمندرانے جہاز ان کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفتدیر کا بہانہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پر مر رہا ہے
 جسے نہ نئی نعمت امروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کوشن و تیز لکین چہرے اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد و رویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



فرشتے ادم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے روزِ شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
تری ہر شست میں ہے کو کبی و مٹیابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکلِ خواہی
کہاں بس ہے ترا لہجہ سحر کا ہی
اسی سے ہے تر نخلِ نسن کی شاہی

تری نوا سے ہے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

روح ارضی ادم کا استقبال کرتی ہے

لکھول لکھول زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
شرق سے ابھرتے سوتے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ وہیم ورجا دیکھ!

ہیں تیری تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں
 یہ کہو صحیحہ را یہ سمندر یہ ہوائیں
 گیسبہ فداک یہ خاموش فضا میں
 تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو
 سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
 دیکھیں گے تجھے دُور سے لڑوؤں کے سداے
 ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آنکھوں کے شرارے
 تمہیں خودی کر اثر آہ رسا دیکھو

خوشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 چھتے نہیں نکتے ہوئے فردوسِ نظر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 جنت تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
 اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھو

نالندہ ترے غمو کا ہر تارا زل سے
 تو پیرِ غم خانہ اسرارِ ازل سے
 تو جنسِ محبت کا سریدارِ ازل سے
 محنت کش و خونِ یزولم ازارِ ازل سے
 ہے راکبِ تبت در جہاں تیری ضا دیکھو



۲۶۱
 بالِ جبریل
 ۱۳۷

پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینک سے جاری جوتے نگوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویش! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند

نخک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کج بامی آید این آواز دوست

دور حاضر مست چنگ و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۴۶۲

بالِ جبریل

۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ، یورپ با فروغ و تاب مال
نغمہ اس کو لکھنچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

برسماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مرنے کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک دو کر ب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراک تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری سے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

پیر رومی
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
بر زجاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی
ہے نکاح اور ان سحر غیب
خوجست کے ہوشتر غریب

پیر رومی
ظاہر تہ کر اسپد است و نو
دست جامہ ہم سید کرد و از نو

مرید ہندی
اے مکتب کا جوان گرم خون
ساحر افرنک کا صید زبوں!

پیر رومی
مرغ پر ناز ستہ چوں پراں شود
طعمہ ہر کربہ و تراں شود

۲۶۴
بال جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج اکویش دین و وطن جوہر جاس پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب

انتظار رومی وار و دوسب

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شراپشہ آربو چرخ

ہنرش آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گرفتارے اُمتیں مرقی ہیں کس آزارے؟

پیر رومی

ہر ملک اُمت پیشیں کہ ہو
زانکہ بر جند لہاں بڑ نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درو
ہیچ قومے را حنہ اُرسوانہ کرد

۲۶۶
بالِ حبریل
۱۲۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندہ نشِ حیرانی بخر
زیر کی طنق است و حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیر بے کُلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندۂ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شرکِ ستی خاصانِ بد میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال زانغاں را بکورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسروی یا راہی کی ہے آخر غایت دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین علیتی غار و لوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زوچوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برکردن برند

۳۶۸
بال جبریل
۱۲۲

مرید ہندی

سُرویں اور اک میں آتما نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت ابس

ویدن ہر چیز را شرط است اس

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ از زو صید ر عشق است و بس

لیکن او کے گنجد اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہ پند
غنچہ باشی کو دکانت برکت
وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کڑکٹلاش طالب دل بکش و پیکار بکش
جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے میرا جو ہر سہرا تھے نہیں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نہیں ہست
دل فراز عرش باشد نے بہ پست
تو دل خود را ولے پند اشتی
جستجوے اہل دل بخت اشتی

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا منکربند
میں زمیں پر خوار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکر میں اس اہ میں لھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمیں
اہ دنیا ہے کیوں اٹاتے ہیں؟

پیر رومی

اں کہ برفِ سلاک رفتارش ہو
برز میں رستن چہ دشوارش ہو

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نانِ جلال
عشق و وقت آید از نانِ جلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تفت اضنا بھمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار بایک نے زیاد

پوستیں بہر دے آمد نے بہار

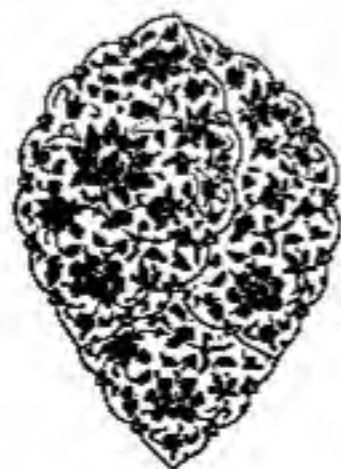
مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہیں تیر روزا

پیر رومی

کار مرداں روشنی و گرمی است

کار دونان حیلہ و بے شرمی است



۴۷۲
بالِ حیدریل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدم ویرینہ کیسا ہے جس ان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گنفت کو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس از سے
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب
اب یہاں میری کز ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

جس کی نو سیدی سے ہو سوزِ درون کا سنت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

جبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جُرأت کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جاہِل و عیسیٰ کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط حاصل سے زخمِ شہر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دستِ پاءِ الیا س بھی بے دستِ پاءِ
میرے طوفاں میں بہیم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
کہ ابھی سلوتِ ستر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنجیں کہیں کس کا لہو!

۲۷۲

بالِ جبریل

۵۰

میں لکھ سکتا ہوں دلِ نیرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اَللّٰهُ، اَللّٰهُ، اَللّٰهُ!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ سخن نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزین، ادا فہم ہے تفتید
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فقننے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لکڑیاب شب کو رے کیا چم کو سزاوار
بولا مہِ کامل کہ وہ کو کب ہے بزمِ زین
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذتِ بیداری شب کے
اونچی ہے تریسے بھی یہ حالِ پر اسرار

انگوٹش میں اس کی وہ تھلی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سید
 ناکاہِ فضیلت بانگِ اذان سے ہوتی لبِ ریز
 وہ نعرہ کہ پل جاتے جس سے دل کھسارے

محبت

شہیدِ محبت نہ کا فتنہ غازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اوشے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غمِ نوئی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نہ مانہیں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

مہرِ الفت بہتر ہے اکھنڈی سے
 یہ آدمِ لری ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی
تو اے مسافر شبِ انوار و چراغ بن اپنا کمر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا سمتِ ام پیدا کر نیازِ زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس ہے تجھ کو سکونتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لہراںِ فرناک کے احساں سفالِ ہند سے یہ سنا و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں سیریِ نل ہے میرا مے مے لالہ و فام پیدا کر

مرا طریقِ آسیہ سیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ عسیری میں نام پیدا کر



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں ہے کیا!
سمجھا نہیں سلسلِ شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ دیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سحرِ زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندۂ صااحبِ نطن کو میں
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے نمود
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



۴۷۸
بالِ جبریل
۱۵۴

یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خرمیاں اک بحرِ پُراشوب و پُراسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام
کہتے ہیں چراغِ رہِ اسرار ہے رومی

جواب

کہ کتبِ یادِ خورد و جو ہمچوں خراں آہوانہ درختن چراغِ خواں
ہر کہ گاہ و جو خورد و تیرباں شود ہر کہ نورِ حق خورد و شرآں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز
جو شرِ کردار سے کھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

جوش کر وار سے شمشیر سکندر کا طلوع
 کوہ الوند ہوا جس کی حرارت سے کداز
 جوش کر وار سے تیمور کا سیل ہم گیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صف جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوش کر وار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مکر و فرصت کر وار نفس یا نفس
 عوض یک نفس قبر کی شب ٹمٹے و راز
 "حاقبت منزل ما وادی خاموشان است
 حالیہ غلغلہ درگاہِ بدِ افسانہ انداز

مسوینی

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ملت کا شباب

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب
 رومتہ الکنبہ نے دلوں کوں پہنچا تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشم پران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسمور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی زندگانی شعلِ شعاعِ آفتاب



سوال

اک مغلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عظام و فرومایہ کو میری

پنجاب کے دہقان سے

بتا کیہ تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے ہے تو خال باز
اسی حال میں دب لیتی تیری آگ
سحر کی ازاں چولتی اب تو جاک
زمین میں ہے لو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آب حیات
زبانے میں جھوٹا ہے اس کانجیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتان شعوب و قبائل کو توڑ
رسوم کنن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم، یہی مستحجاب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

بجائے بدن دانہ دل نشاں
کہ اس دانہ واروز حاصل نشاں

نادر شاہ افغان

مضویر حق سے چلا لے کے لوگوں سے لالا

وہ ابر جس سے رک گئی ہے مثل تارِ نفس

بہشت راہ میں دیکھا تو چو لیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آتی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنی کا سبز نورس

سرشک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں

چناں کہ آتشیں اورا دلفن و زنبش



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام افغانیوں کا بلند
 محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند
 مغل سے کسی طرح کست نہ نہیں قہستان کا یہ بچہ از جہند
 کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
 اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
 مغل شہسواروں کی لڑو سبند

تاماری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمت امہ ہرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال!

خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد
 کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اُس کا
 ساتھ دیا۔ اِس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ
قباۓ ملک و دولت چال و چال!
مراایاں تو ہے باقی و بس کن
نہ لکھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہو اسے شند کی موجوں میں محسوس
سمرقند و بخارا کی کھنڈ خاں!

بلکہ اگر دیکھو چاند انکے سینہ

بلا انہما شتری و من یسیر سنم

یہ کایک پل گئی حنا کی سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی انس کی سفیدی
صدائے آئی کہ میں ہوں رُوح تیمور
اگر محسوس ہیں مردان تاتار
نہیں اللہ کی تعذیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
کہ تورانی جو تورانی سے مہجور؟

’خودی را سوز و تابی دیکرے وہ‘

’جہاں را انفتاد بے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حالِ معتم

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بہت بدیج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نمران اور
احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مکان اور
الفاظِ معنائی میں تعناوت نہیں لیکن
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گر گس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ لڑا اوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶

بالِ جبریل

۱۶۲

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے جومات
 یہ خوان ترو تازہ معرے نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران * و لزومات *
 اے مرغِ غلبِ سیح پارہ! ذرا یہ توبت اٹو
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرِ ضعیفی کی سزا مرلِ مفاعیات!



* غفران — رسالۃ الغفران، معرے کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے
 * لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے
 سنمیل ہے یا صنعتِ آرمی ہے
 وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافر می تھا
 یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
 وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا
 یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُنخ کی مٹی
 وہ بُت خانہ خالی، یہ خاستری ہے

پنجاب کے پیرزادوں سے

حاضر ہو! میں شیخ مجتہدؒ کی لحد پر
 وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
 اس خاک کے دُوروں سے ہیں شرمندہ ستارے
 اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
 کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لئے
 جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

۲۸۸
 بالِ ہیریل
 ۱۶۴

وہ ہند میں سرمایہ بخت کا نگہبان
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنہ کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کئے فقر سے چوٹیرہ دستار
 باقی کلمہ فقر سے بھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرزین میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ چاہیہ
 فرزین سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اَلْاَفْقَرُ سَلْهَاتُہِ صَیْا دُو کُو پُخْمِی
اَلْاَفْقَرُ سَکْھَتے ہِیں اَسْرارِ جہاں لیری
اَلْاَفْقَرُ سَ قوموں میں سِکینی دِلگیری
اَلْاَفْقَرُ سَ مٹی میں خاصیتِ اِلسیری
اَلْاَفْقَرُ ہِے شَبِیرِی اِس فقر میں ہِے میری
میراثِ مسلمانی ہِے اِیہ شَبِیرِی !

خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدہ و عجم جس کے سرے سے روشن بھر
”زہرِ درم نہ دے دے خودِ مباحش
تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے رواسے نوری
عالم ہے خموشِ دستِ گویا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دریا، کُھسار، چاند، تارے کیا جانیں فراق و ماحِ صوری
شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی
یہ حال ہے محرمِ جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوں نہیں
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ سازی کا فن
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفن خاں!
جاں لاغرو تن منہ ربہ و عبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد و نچستہ و چالال!
نپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حوران بہشتی
ویرانی جنت کے تصور سے ہیں غم ناک؟
جسمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہ افلال!



۴۹۲

بالِ حبریل

۱۶۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستعار کراں بسا، اُس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک وز مرغ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدہ زنک و بولی ہے بنسیا و
خدا مجھے بھی الہ ربال و پر عطا کرتا
شکفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم احباب
و یا جواب اُسے خوب مرغ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اُنہو اسے تو بیدا و
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذب خال سے آزاد

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے رُوح انسانی
نکتہ دلپذیر ہے کہ لیب ہے حکیم و ستانی
”پیش خورشید برکش یوا“
خواہی ار صحن حنا نہ نورانی“

فلسفی

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غمور
حکیم سے محبت سے بے نصیب ہا
پھر افضاؤں میں گر لیں اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب ہا



شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنار
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ بادِ باری نہ کھیں نلبیل
 خیابانیوں سے ہے پر پیہر لازم
 ہوئے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا ٹھوکا نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا
 جہاں رزق کا نام ہے آب و نہ
 ازل سے ہے فطرت مری اہربان
 نہ بیاری نعمتِ عاشق نہ
 ادائیں ہیں ان کی بہت دلبر
 جواں مرد کی ضربتِ عنایا
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیلگوں آسمان بیکرا

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند بُتوں چبھتے ہیں عصبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سو وہ ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرفۂ سالو س کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں سندِ ارثا
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشین!

ہارون لی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہِ لُزر سے

۴۹۶

بالِ حیریل

۱۷۲

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے سرا
جب تک تو اسے ضربِ ظہمی سے نہ چھیے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مذہب کے یہودی سُود خوا
جن کی روباہی کے آگے ہیج ہے زور پلند
خود بخود کرنے کو ہے پلے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

آزادی افکار

جو دُونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اُس مرعوب بیچارہ کا انجم ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا
ہر منکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے اندر اوجھوں ہر بے کد آزاد
گو منکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے الگ
کون ہیں تیرے اب و جد کس قبیلے سے تھے تو؟

۴۹۸
بالِ جبریل
۱۷۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبارِ فتار، شاہی صطبل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

تیں پائے سال و خوار و پریشان درو مند
تیرا مست کام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ اہ میں
تیں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
 رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
 پہناتا ہوں اسلس کی قبا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحرِ کار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

کل اپنے مُردوں سے کہا پیرِ مغان نے
 قیمت میں یہ معنی کا دُرِ ناب سے چند
 زہرِ اس ہے اُس قوم کے حق میں مے افروغ
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

فرید کلیم

افکار نمازہ

اعظم خدیج زمانہ ہر کے مہلک
(بجانب)

۵۰۲
ضرب کلیم
۲



نہیں متام کی خوگر طبیعت آزاد
ہواے سیرِ مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سناںِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر





۵۰۴
ضرب کلیم
۲

وید
از هیچ کس را که از خانه بیرون
نبرد

صفحه اول

در روز دوشنبه و در وقت که از خانه بیرون
نبرد

بعد از آنکه از خانه بیرون
نبرد

نبرد

نبرد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

* اعلیٰ حضرت نواب سر حمید اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں

۵۲۱/۲۱

* ناظرین سے

۵۲۲/۲۲

* تمہید

۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

۵۲۵/۲۵

۱ صبح

۵۲۶/۲۶

۲ لا الہ الا اللہ

۵۲۷/۲۷

۳ تن بہ تفسیر

۵۲۸/۲۸

۵۰۵
ضرب کاہم
۵

۵۲۹/۲۹	۴	معراج
۵۳۰/۳۰	۵	ایک فلسفہ زدہ سید زاوے کے نام
۵۳۱/۳۱	۶	زمین و آسمان
۵۳۲/۳۲	۷	مسلمان کا زوال
۵۳۲/۳۲	۸	علم و عشق
۵۳۲/۳۲	۹	اجتناب
۵۳۲/۳۲	۱۰	شکر و شکایت
۵۳۵/۳۵	۱۱	ذکر و منکر
۵۳۶/۳۶	۱۲	ملائے حرم
۵۳۶/۳۶	۱۳	تقدیر
۵۳۷/۳۷	۱۴	توحید
۵۳۸/۳۸	۱۵	علم اور دین
۵۳۸/۳۸	۱۶	ہندی مسلمان
۵۳۹/۳۹	۱۷	ازادی شمشیر کے اعلان پر

۵۰۶
ضرب کلیم
۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جہاد
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملوکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاتِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زدہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	ہندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دلِ مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ہنسیا
۵۵۰/۵۰	۳۰	نہار
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۵۱/۵۱	شکست	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمق و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی لروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلسفہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حندا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافرو مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم!	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸
ضرب کاظم
۸

۵۶۲/۴۲	۴۶ امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷ فتنہ و راہبہ
۵۶۴/۴۴	۴۸ غزل (تیری متاع حیات علم نہیں کھنڈور)
۵۶۵/۴۵	۴۹ تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰ جنگ تہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱ اسلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲ جان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳ لاہور و لراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴ نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵ اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶ مکہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷ اے پیرِ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸ مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹ مروجہ سماں

۵۷۲/۷۲	۶۰	پنجابی سلمان
۵۷۵/۷۵	۶۱	آزادی
۵۷۵/۷۵	۶۲	اشاعت اسلام فرستان میں
۵۷۶/۷۶	۶۳	لا و الا
۵۷۷/۷۷	۶۴	امراتے عرب سے
۵۷۷/۷۷	۶۵	احکام الہی
۵۷۸/۷۸	۶۶	موت
۵۷۹/۷۹	۶۷	فشم باذن اللہ

تعلیم و تربیت

۵۸۱/۸۱	۱	مقصود
۵۸۲/۸۲	۲	زمانہ حاضر کا انسان
۵۸۳/۸۳	۳	اقوام شرق
۵۸۳/۸۳	۴	آگاہی

۵۱۰
ضرب کلیم
۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پیدا
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان ٹیپو کی وصیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں انجمن نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیسداری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و فک
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرتب خودی

۵۹۴/۹۴ ۱۹ مہمان عزیز

۵۹۴/۹۴ ۲۰ عصر حاضر

۵۹۵/۹۵ ۲۱ طالب علم

۵۹۵/۹۵ ۲۲ آستان

۵۹۶/۹۶ ۲۳ مدبر

۵۹۷/۹۷ ۲۴ حکیم نطشہ

۵۹۷/۹۷ ۲۵ اساتذہ

۵۹۸/۹۸ ۲۶ غزل (سے کا منزل مقصود کا اسی کو سراغ)

۵۹۹/۹۹ ۲۷ دین و تسلیم

۶۰۰/۱۰۰ ۲۸ جاوید سے

عورت

۶۰۳/۱۰۳ ۱ مرد و فرنگ

۶۰۴/۱۰۴ ۲ ایک سوال

۶۰۴/۱۰۴

۶۰۴/۱۰۴

۵۱۲
ضرب کلیم
۱۲

۴	۳	پرودہ
۴	۲	حسوت
۵		عورت
۶		ازادی نسواں
۷		عورت کی حفاظت
۸		عورت اور تعلیم
۹		عورت

ادبیات، فنون لطیفہ

۱	۴۱۱/۱۱۱	دین و ہنر
۲	۴۱۲/۱۱۲	تخلیق
۳	۴۱۳/۱۱۳	جُسنوں
۴	۴۱۴/۱۱۴	اپنے شعرے
۵	۴۱۵/۱۱۵	پیرس کی مسجد

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ اُمید
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ اُمید
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہل شہر سے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک!)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ تہافت
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲

۲۰	اقبال
۲۱	فنون لطیف
۲۲	صبح حسن
۲۳	حنا قانی
۲۴	رومی
۲۵	جدت
۲۶	مرزا بیدل
۲۷	جلال و جمال
۲۸	مصور
۲۹	سرو و جلال
۳۰	سرو و حرام
۳۱	فواره
۳۲	شاعر
۳۳	شعر عجب

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۱/۱۳۱

۶۳۲/۱۳۲

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۴/۱۳۴

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۷/۱۳۷

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۹/۱۳۹

۵۱۵
ضرب کلیم
۱۵

۴۴۰/۱۴۰	۳۴	نمونه سرور این چند
۴۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۴۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۴۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۴۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۴۴۳/۱۴۳	۳۹	فوق نظم
۴۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۴۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۴۴۵/۱۴۵	۴۲	ضبط
۴۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

سیاسیات مشرق و مغرب

۴۴۸/۱۴۸

۱ اشتراکیت

۴۴۹/۱۴۹

۲ کارل مارکس لی آواز

۵۱۶
ضرب کلیم

۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیاتِ اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خواجہ بکلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عسلاہوں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریا
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کد
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	انتداب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	دام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک بحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا

۶۶۹/۱۶۹	۳۱	نفسیاتِ غلامی
۶۷۰/۱۷۰	۳۲	عندلاموں کی نسل
۶۷۱/۱۷۱	۳۳	فلسطینی عرب سے
۶۷۲/۱۷۲	۳۴	مشرق و مغرب
۶۷۲/۱۷۲	۳۵	نفسیاتِ عالمی

محرابِ گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	۱	میرے کہتاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کس
۶۷۴/۱۷۴	۲	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
۶۷۵/۱۷۵	۳	ترمی دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
۶۷۶/۱۷۶	۴	کیا چرخِ کج رو، کیا مسر کیا ماہ
۶۷۶/۱۷۶	۵	یہ بدر سے پھیل، یہ غوغائے روارو
۶۷۸/۱۷۸	۶	جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
۶۷۹/۱۷۹	۷	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
۶۸۰/۱۸۰		

۶۸۱/۱۸۱	۸	زراغ کہست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
۶۸۲/۱۸۲	۹	عشق طہینت میں منہ رو مایہ نہیں شل ہوس
۶۸۳/۱۸۳	۱۰	وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
۶۸۴/۱۸۴	۱۱	جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش
۶۸۴/۱۸۴	۱۲	لا دینی و لاسینی اس پیچ میں ابھھاٹو!
۶۸۵/۱۸۵	۱۳	مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دلوں
۶۸۶/۱۸۶	۱۴	بے خبر آتشِ زندانہ عرش ہے بڑا ہی
۶۸۷/۱۸۷	۱۵	ادم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ
۶۸۷/۱۸۷	۱۶	قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
۶۸۸/۱۸۸	۱۷	آل اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو
۶۸۹/۱۸۹	۱۸	یہ نکستہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
۶۹۰/۱۹۰	۱۹	نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
۶۹۱/۱۹۱	۲۰	فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی



علی حضرت نور محمد اللہ خاں مازوئے بھوپال
کی خدمت میں

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کرد و گشت

کسے نہ بود کہ اس دستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگمراہیں ہمہ ساریہ سار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ بر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہوش
تیرا رُج جوج ہونے کے کا عرصہ بند
یہ زور دست و ضربتِ کاری کل ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نواسے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملتا یہ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عینِ فلان نہ حلِ ترنگ



تمہید



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنکامے
برمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
ترمی نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی
زمانہ اپنے حواشی چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

عطا ہوا حسن و خاشاک ایسا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



ترکستہ ہے قہرِ اس بالِ محرابِ آرائی
اگرچہ تُو ہے مثالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگستار کے نکلے تھے اُن عینِ یوں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہلے بلند
تڑپ سے ہیں فضا ہلے سیکڑوں کے لیے
وہ پر شدت کہ صحنِ سر میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵
ضرب کاغذ
۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُبح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۲۶
ضربِ کلیم
۲۶

لا الہ الا اللہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تُو نے متاعِ عنبرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بُستانِ وہم و گسار لا الہ الا اللہ
خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زنجاری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ سہمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قُراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسہ و پرویں کا ہیبر
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو ناخوب، بدیج و ہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مہیر



معراج

دے ولولہ شوق جسے لذت پرور
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن بہر کرباز
پرسوز اگر چہ نفسِ سستہ دراج
ناول ہے سلمانِ عرفا اس کا شہرِ تیا
ہے سرِ سراپردہ جان نکستہ معراج
تو معنی و النخبہ نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا محتاج



ایک فلسفہ زدہ سید افسانہ کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہیکل کا صدف گھر سے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا جو بسے اشراق
 میں اصل کا خاص و مناساتی
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
 اقبال اگرچہ بے پیر ہے
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 انجام حسرت ہے بے حضوری
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 زنجاری گرہاں نہ ہوتا
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی ہو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی ازاں ندائے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کف خال برہمنز
 پوشیدہ ہے ریشہ ٹائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نیچت سے دل افزو
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم دیں سِرِ محمدؐ و براءِ سیم
دل در سخنِ مستدی بند اے پورِ عشقِ زبوعلی چند

چوں دیدۂ راہ ہیں نداری
قایدِ تشری بہ از بخاری

زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسمِ بہارِ خزاں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ و لڑکوں
اے سالک رہ بان نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعارِ حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقین' سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگر می سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور غنیور
قلندر می مری کچھ کم سکندر می سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آتش کار ہوا
قلندر می سے ہوا ہے، تو نگر می سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

۵۳۲

ضرب کلیم

۳۲

بندہ تنحنہ و وطن! اکرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماشاے فات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پرپہاں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و نگین
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحباب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شورش طوفاں حلال لذت ساحل حرام
 عشق پہ حبلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عمیق
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
اے محکومی وقت سید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقہانِ حرم بے توفیق!
ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

شکر و شکایت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۳

ضربِ کلیم

۳۲

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس ویس میں تُو نے
 جس ویس کے بندے ہیں عنِ سلامی پہ ضامنِ دُلا

ذکر و نکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سُبْحانِ ربِّی الاعلیٰ

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگر سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال
تری اذواں میں نہیں ہے مری خسرو پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق نظنراتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اُمم جس کو نہیں ہم بے چھپاتی

مہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑاں صفت تیغ و پیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک ستلہ علم کلام
روشن اس ضلوع سے الرطمت کروار نہ ہو
مخوسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
ثقل ہوا اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس از سے اقف ہے نہ ملا، نہ قتب
وحدت افکار کی بے وحدت کڑا ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطس کر ندیم
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نطسری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ ہونہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبہم اگر شرک یا نسیم
وہ علم کم بصیری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیات کلیم و مشاہدات کلیم!

چندی مسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کداگر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
 کہتی ہے کہ یہ مومن پارسی نہ ہے کافر
 آوازہ حق اٹھتا ہے لب اور لہجہ سے
 مسکین و لکم ماندہ وریں شکمش اندر

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مرد مسلمان کبھی تو نے
 کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیر حکمروار
 اُس بیت کا یہ مصرع اقول ہے کہ جس میں
 پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
 ہے فنِ کرب مجھے صریح ثانی کی زیادہ
 اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
 قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
 یا حن اللہ جاننا ہے یا حیث در گزار

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کلمے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
تبع و تفنک دستِ مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰
ضربِ کلیم
۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے
 مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی شر
 حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
 اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
 سوار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک
 تاریخ اُٹم کا یہ پیام اڑلی ہے
 صاحب نظر! نشہ قوت سے خطرناک
 اس سیل سبک سیر و زمین کیسے لے آئے
 عقل و نظر و علم پہنچ رہے ہیں خاشاک
 لاویں جو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
 جو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اس لی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابی سے
مازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے غریب
کھاکتی روح منہ زنی کو ہوائے زور و سیم
عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
کہ لہر غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے ستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو البرکہ ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فست' غیور!

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خودِ بیکر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تُو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کئے خیر کہ ہزاروں معتمد رکھتا ہے
وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرانی
خود می کو جب نطنس آتی ہے قاپری اپنی
یہی معتمد ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
یہی معتمد ہے مومن کی قوتوں کا عیا
اسی معتمد سے آدم ہے ظل سبحانی
یہ جب روقہ نہیں ہے یہ عشق دوستی ہے
کہ جب روقہ سے ممکن نہیں جہاں بانی
کیا کیا ہے غلامی میں بستلہ تجھ کو
کہ تجھ سے ہونہ سکی فخر کی نگہبانی

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اسر سعو) بھوپال میں لکھے گئے

مشال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
خسریہ لی ہے سرنگی نے وہ سلما نی
ہوا حریفِ مر و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
تخیلات کی دنیا غریب ہے لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینانِ زودہ



ترا وجود سراپا تجرِ بستیِ انسرنگ
کہ تو وہاں کے عمارتِ کروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکرِ خالیِ خودی سے ہے حنائی
فقط نسیام ہے تو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجودِ ترا
وجود کیا ہے، نقطہ جوہرِ خودی کی نمود
کہ اپنی منکر کہ جوہر ہے بے نمودِ ترا

۵۳۶
ضربِ کلیم
۲۶

تصوف *

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائوتی
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عمتل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شرابِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سلسماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سرسبز سعوی) بھوپال میں لکھے گئے

چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ
اے مروجہ دنیا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی عنار میں اللہ کو گریاؤ
مسکینی و محکومی و نویسی دی جاؤ
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملا کو جو ہے چندی میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ لہن کا چارہ
ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
نہ ٹھنک ہے نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!
تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزہ ستارہ
ترسے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ سحر نے
مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لردوں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الرجہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

وَحی

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
 راہبر ہو وطن و تخلص تو زبوں کار حیات
 فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
 سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تاری حیات
 خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکونکر
 گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
 بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
کریم شمشکلی زندگی سے، مردوں کی
الرشکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل حسد او کی زو سے
عالم ہے عین سلام اس کے بدل ازل کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ ابھرتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفّار

۵۵۲
ضربِ کلیم
۵۲

شاعر کی نوا مُروہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ لو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کر دے

قبر

مرد کا شبستاں بھی اُسے رس نہ آیا
 آرامِ تسلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
 خاموشیِ اندک تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
پختا ہوا ہنکاہت قلندر سے کُزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا
چمٹھتا ہوا دریا ہے اگر تُو تو اُتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری تلکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں سُکر جانے کی جرات تو نکر جا

مہر و مس و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، رالکب ہے قلندر



۵۵۲
ضرب کلیم
۵۲

فلسفہ

افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مرد تسلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مدت ہوئی کزراہت اسی راہ کز سے
الفاظ کے پچوں میں ابھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے!

پیدا ہے فقط حلفتہ ارباب جنوں میں
وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
جس معنی چھپیدہ کی تصدیق لہرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفت
جفسفہ لکھانہ کیا خون جگر سے

مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں پوششِ بدوش
قلندرِ وقبِ پوشی و کلداری
زمانہ لے لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خال میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہی کا طوائفِ بُہتاں سے ہے ازاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زنگاری!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہ پہاڑ مجھ سے خضر نے
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

الگ تہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 نرندہ صہیتل زودہ و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افق میں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ گرفتار ہے نے جدتِ کردار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 جو جس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفتِ تریاں تو بریشم کی طرح نرم
رزیمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افدال سے ہے اس کی حرفیہ کشاکش
خالی ہے مگر سناں سے آزا ہے مومن
بچتے نہیں لُجّشک و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

❖ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
اس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں ازاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدائے کن فکان! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر
آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری تجلی سے کمالاں ہو جا

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سلکھلائی ہے یہ حجت اے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وے رہا ہے اپنی ازادی کو مجبوسی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا غلتِ مرحوم کا ابر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچند ہے بے قافلہ و راحلہ و زرا
اس کوہ و بیاباں سے خدی غم ان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
آیتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ کمالِ جنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاتِ سبزی زاری
 نہ اس میں عسکریں کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ زوڑوں!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کے
 ہے وہی سیرے زمانے کا امامِ برحق
 جو تجھے حاضر و موجود ہے سب زار کے

۵۶۲
 ضربِ کلیم
 ۶۲

موت کے آتے میں تجھ کو دلھا کر رنج و دست
زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں یہ اللہ کرے
فقتہ کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فیتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمان
تری نگاہ میں ہے ایک فہتہ و رہبان
سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہینار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے و انمو اس
کہ ہے نہایت مومن خودی کی عیانی

وجود صیر فی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فنا
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانِ بولی طغیانی
 یہ فترتِ مردِ سماں نے لھو دیا جسے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیات علم و ہمت کا سرور
 میری متاعِ حیات ایک دلِ جاہل و بے
 معجزۂ اہلِ فکر و فلسفہ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمران و طور
 مصلحت کہہ دیا میں نے مسلمان تھے
 تیرے نفس میں نہیں گرمی یومِ القشور

۵۶۴

ضربِ کلیم

۶۴

ایک زمانے سے ہے چال کر سیاں مرا
 تو ہے ابھی ہوش میں سے جنوں کا قصوہ
 فیضِ نطنر کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نطنر کے حصوہ
 خوارِ جاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جسور فقرِ جو بس کا غیوہ

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکلتے پھیلے پیدہ ہے پیدا
 پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا
 ظلمتِ کدہ خاکِ پستِ لہ نہیں رہتا
 ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تحت اضموں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہونو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید آتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیرِ سائے ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات میں کیا
ترمی نگاہِ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاپی سے
روشِ کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

الہام اور ازادی

ہو بندہ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی بندہ فکر و عمل کے لیے ہمیز
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرِ امیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بے بل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغِ غنِ سحر خیز
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ جسم و پر ویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ کراۓ اقام ہے وہ صورتِ چنگیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس پچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
میری شکل ہستی و شور و سرور و درد و داغ
تیری شکل مے سے ہے ساغر مے ساغر سے ہے
اے باطراف و معنی، خست ملاط جان و تن
جس طرح انگ کربا پوشش اپنی خاکستر سے ہے

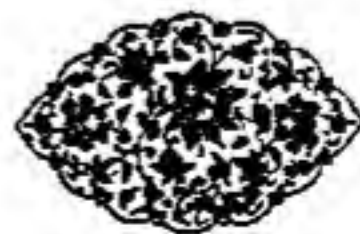
لاہور و لکراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر
اُن شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قد و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نطن
فانش ہے مجھ پر یہ ضمیرِ فلک نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برکِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طالع بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہ اور جلیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی نہونی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
تفنیقِ عقلِ حکمتِ افزائش کا مقصود
اسلام کا معنی صرف طاعتِ آدم

۵۴۰
ضربِ کلیم

کئے نے دیا خال حبیبوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت اوم

اے پیرِ حرم

اے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہ چھوڑ
مقصودِ سبھ میری نوا ہے سہری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت!
دے ان کو سبقِ خوشگنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کرمی کا
دل توڑ گئی ان کا دوسد یوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں تھے اسرار
مجھ کو بھی جملہ دے مری آشفۃ سری کا

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار
نومید نہ کراہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مردِ ناداں کے کفن کو؟



مرد مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قتاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امیں بندہ خالی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز
 اہنگ میں سجتا صفتِ سورۃِ رحمن
 بنتے ہیں مری کار کہ فکر میں اہم
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
 کرے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
 چو لھیل مُریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد
 تاویل کا پھنسا کوئی صیاد لگا دے
 یہ شاخِ نشین سے اُترتا ہے بہت جلد



۵۷۲

ضربِ کلیم

۷۲

ازادی

ہے کس کی یہ خبرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صہبائے
شران کو باز چہ تاویل بن کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
ہے مملکت چند میں الٹنہ تماشا
اسلام ہے محبوب اس مسلمان ہے ازاد!

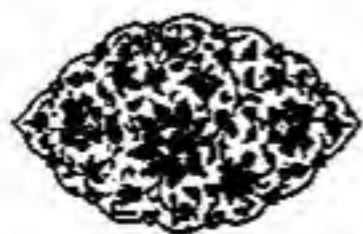
اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب یہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 فتبول دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر فتبول کرے دین مصطفیٰ انگریز
 سیاہ روزگماں رہے کا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شہبستاں سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہ ساد زندگی میں استلا، انتہا، الا
 پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البرز اس ملت کا پیما نہ



۵۷۶
 ضرب کلیم
 ۷۶

اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خُبر آستِ کُفتار
 اگر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی !
 یہ نیکیت پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
 وصالِ مُصطفویؐ، اُستِ ارقِ بولہبی !
 نہیں وجودِ حدود و ثغور سے اس کا
 محسوسِ عربی سے ہے عالمِ عربی !

احکامِ الہی

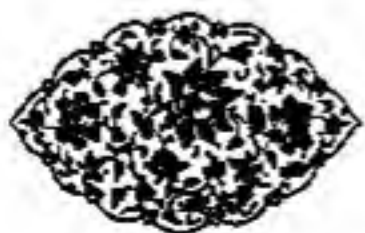
پابندیِ تقدر کہ پابندیِ احکام !
 یہ سداً مشکل نہیں اے مردِ خرومند

❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی خورند
 تقدیر کے پاس نہ بات و جمادات
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوتا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



مُشَمِّمِ بَاذِنِ اللہ

جہاں الرحیمہ لکڑوں ہے مُشَمِّمِ بَاذِنِ اللہ
وہی زمین، وہی لکڑوں ہے مُشَمِّمِ بَاذِنِ اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رکوں میں ہی نخل ہے مُشَمِّمِ بَاذِنِ اللہ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے مُشَمِّمِ بَاذِنِ اللہ



سعود (Sud) (بهرت)

سجود

نظر حیات مجید و طیب بر در آید
جاست کایه با حضور و کرد و نمود

طلاطول

نگاه مریخ بر رخت بر در آید
جاست کایه با طیب و طاهر و نور

جاست کایه با طیب و طاهر و نور
نقطه مریخ بر رخت بر در آید

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضرب کلیم
۸۱

مقصود

(سپینوزا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مستصود

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کلیم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد میگذردش صورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نطنز کرنے سکا
دھونڈنے والا ستاروں کی لزر کا چوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سحر کرنے سکا
اپنی جھمت کے حسن و ہیچ میں ابھرا ایسا
آج تک نصیحت نہ نفع ضرر کرنے سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنے سکا

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہتِ آفاق اُن کو
انکھ جن کی ہوئی محکومیِ بختِ لید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مذہبیت کہ جو ہے خود لب کوڑا

آگاہی

نظرِ سپہر پہ رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتمد سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند کر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے لے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲
ضربِ کلیم
۸۲

نستی بھلی کہاں اُن بادلوں کے جیب وامن میں
پُرانی بھلیوں سے بھی ہے جن کی استہیں خالی

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربت کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسبز جہانِ مرد و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی پیش کیلئے فقط ذوق طلب ہے
پہناں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ اُفت

سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول
لیلی بھی ہم شیں ہو تو محسوس نہ کربول
اے جوئے اب بڑھ کے ہو دریا سے تند تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کربول
کھویا نہ جا صدمہ کدہ کائنات میں
محسوس کدہ از اکر می محسوس نہ کربول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو محسوس کا سلام ہو وہ دل نہ کربول

باطل دُوتی پسند ہے، حق لا شرک ہے
شرکت سیانہ حق و باطل نہ کر قبول !

غزل

نہ میں اُسی نہ ہندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں کے بے نیازی
تو مری نطن میں کافر میں تری نطن میں کافر
تراوین نفس شماری مرادیں نفس کدازی
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن نہ آیا
کہ کھائے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تاب زندگی سے
کہ ہلاکی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندہ حق ہیں کی خودی ہو گئی بیدار
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پانی فطرت سے ہوا محرم اساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ نشتِ خاک میں پیدا ہوا تشریں سوز

یہی ہے ستر کھسی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

آزادی فکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
جو فکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فستہ بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجہ و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا
خودی ہو زندہ تو کھسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں ازاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

حکومت*

ہے مریدوں کو تو حق بات کو ارا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات
گرچہ اس دیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی مہینا کو ثبات
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا
انکسیر جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
ازاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
ازاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرلِ مفاجات
ازاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کرمی و علم نباتات

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخِ مستجب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!



خوب زشت

ستارگانِ فضا ہائے نیلگوں کی طرح
تختِ است بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جہیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تسبیح و نامحبوب!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغربِ کاندڑوں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عربیہ بے تہ و تاب
بدنِ سراق و عجبِ کاسم ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے لال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے چہرہ حرام ہوا مجبور
کہ بیچ لھاتے سماں کا جامہ احرام

مہمانِ عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدر سے والوں کا ضمیر
خوب ناخوب کی اس فور میں ہے کس کو تمیز
چاہیے نہ دل کی کوئی منزلِ حلالی
شاید آج تے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

عصرِ حاضر

پُخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲

ضربِ کلیم

۹۲

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مُردہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھری موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا سپاڑ کی ندی نے سنگینے سے
فتاویٰ کی وسرافلت کی تری سرخ!

ترایہ حال کہ پامال و درہند ہے تُو
 مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
 جہاں میں تُو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
 کئے خبر کہ تُو ہے سنب خارہ یا کہ زجاج !

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
 قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
 دل لرزتا ہے طعینانہ کشاکش سے ترا
 زندگی موت ہے، لکھو دیتی ہے جب فوقِ خراش
 اُس بُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
 جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہلنے نہ تراش
 فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا
 جس میں لکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ حقاش

مدر سے نئے ترمی آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کو وہ ویسا باں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کا سینہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تختل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں رہی اس کی
ترس ہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو الرتربیت لعل بدخشاں
بے سووے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُنیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک وود
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ نہتہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

بے گمان نزل مقصود کا اُسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ خُمر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بیانِ خیر کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطن کر کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس و نفس
 چمکے ہیں مثالِ ستارہ جس کے ایاغ

کیا ہے تجھ کو گستاخوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ

تعلیم دین و دہم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نطنِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تفتدیر میں سکومی مطنِ دہم ہے
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افراد سے غمِ باطن بھی لریتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے کناہوں کو معاف



جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
 دربار شہنشی سے خوشتر
 لیکن یہ دورِ ساعری ہے
 سرِ چشمہ زندگی ہوا خشک
 حنائی اُن سے ہوا دستاں
 جس لکھڑ کا مگر چراغ ہے تُو
 جوہر میں چولا لالہ تو کیا خوف
 شاخ گل پر چپکے ولکین
 وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
 دھتیاں لرنہ ہوں اس
 "خافلِ منشینِ وقتِ بازی ست
 ہے اس کی نہاد کافور
 مردانِ خدا کا استمانہ
 انداز ہیں سب کے جاوید
 باقی ہے کہاں سے شبانہ
 تھی جن کی نگاہ تازیانہ
 ہے اس کا مذاق عارفانہ
 تسلیم ہو کو فتنہ گیانہ
 کر اپنی خودی میں آشیانہ
 چھڑے ہے بحرِ بیکرانہ
 ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
 وقتِ نہر است و کار سازی ست

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دل کرم
 پنچیر اگر ہو زیر یک چوچست
 ہے اب حیات اسی جہاں میں
 غیرت سے طریقہ جستیقی
 اے جان پد انہیں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاع لغت
 ہے میری بساط کیا جہاں میں
 اک صدق مقال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نورِ نطن سے کیا خوب
 فرماتے ہیں حضرت نطن تاسی

”جاے کہ بزرگ بایست بو
 فرزند ہی من ندارد سو“





مومن یہ کہراں ہیں شب و روز
 مومن و دولت ہستار بازی
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 باقی ہے منقط نفس و رازی
 ہمت چو اگر تو ڈھونڈ وہ منقر
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اس فقر سے آدمی میں پیدا
 اللہ کی شان بے نیازی
 گنجشک و حمام کے لیے موت
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 روشن اس سے حسرت کی انکھیں
 بے سہارہ ہو علی و رازی
 حاصل اس کا شکوہ محمود
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 تیری دنیا کا یہ سہرا سبیل
 رکھتا نہیں فوق نئے نوازی
 ہے اس کی نگاہ عالم اشوب
 درپردہ تمام کار سازی
 یہ فقر غیور جس نے پایا
 بے تیغ و سناں ہے مرو غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیہی



۶۰۲

ضرب کلیم

۱۰۲

عورت

۶۰۳
ضرب کاغذ
۱۰۳

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے منہ نلی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۶۰۲

ضربِ کلیم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہر بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو خلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مگر

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 ہو جاتے ہیں افکار پر اسندہ و ابتر
 آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر، لیکن
 خلوت نہیں اب دیرِ حرم میں بھی میسر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خالِ اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنون
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

ازادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں، مروان خرد مند
کیا چیز ہے آتش و قمیت میں زیادہ
ازادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لٹوسرور

نے پروہ، نہ تسلیم، نہی چو کہ پُرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تسلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن چوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے ہیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے عینِ سیم کا یہی نہکتہ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ کے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ کے ہے معرکہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمِ ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



[illegible]

۶۱۰
ضریب کاہم

11.

ادبیات

فنون لطیف

ضرب کاظم

دین و دُہنر

سرود شعری سیاست، کتاب و دین و دُہنر
گنہر ہیں ان کی کرہ میں تمام یکساں
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ
ہوتی ہے زیرِ فلک اُمتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دین ہوتے ہیں بیگانہ



۴۱۲
ضربِ کلیم
۱۱۲

تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس ابھو سے کیے بحربے مراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی حسدانی کا رازواں پیدا
ہوا تے دشت سے بولے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



جنوں

نُجسِ لاج کر کی دُکانِ شاعرِ مِلّاتی
ستمِ پئے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ
کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہِ وِلمر سے بیگانہ
ہجومِ مدرّسہ بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے یرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
تُو ہوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثلِ شرّ آورہ نہ رہ
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیرس کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ پر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ سرمِ محرمِ نبوی ہے بیگانہ
حرمِ نسیمیں ہے فرنی کرشمہ بازوؤں نے
تنِ حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بُت خانہ
یہ بُت کہ انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیتا

عشق اب سپرِ مری عقلِ حسدِ ادا کرے
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہگار میں نئی رُوح کو اباد کرے
یا کہن رُوح کو تفتلید سے آزاد کرے

نگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
شبابِ مُستی و ذوقِ سُور و عینائی
اندھیری است میں یہ چشمکین ستاروں کی
یہ بحرِ یہ فلکِ نیلگوں کی پسنائی
سفرِ عروسِ قمر کا عساری شب میں
طلوعِ مہر و سلوکِ سپہرِ سینائی
نگاہ ہو تو بہ سائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ نہ جیتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



* ریاضِ منسزل (دولت کدہ سراسر سمود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجدِ قوتِ الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
'لا الہ' مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
کہ ایازمی سے دگرگوں ہے مقامِ مسعود
کیوں سماں نہ نخل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجلج اس کا وجود
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
جس کی تنگی میں ہو سر لہ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لہاز
بے تاب دروں میری صلیوۃ اور درو
ہے مری بانگِ افاں میں نہ بلندی نہ شکوہ
کیا لوہا ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود
حیات کیا ہے، اُسی کا سرور و سوز و شبات
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اُسی کا مہم
اُسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
حریم سیرا، خودی غیری کی بساؤا
دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لات و منات
یہی کمال ہے تمشیل کا کہ تُو نہ رہے
رہا نہ تُو تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸
ضربِ کلیمہ
۶۱۸

شُعاع اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب حسین، کبھی صبح کبھی شام
مدّت سے تم آوارہ ہو پناہ فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہرِ ایام
نے ریت کے ذروں چپکنے میں ہے رات
نے مثلِ صبا طوفِ گلِ لالہ میں آرام
پھر میرے تجھے بلی لہلہ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و سیلابان و روبام



افاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم آغوش
 ال شور ہے مغرب میں اجالا نہیں مسکن
 افرنک شینوں کے دھویں سے یہ پوش
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کریم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگہ خور
 آرام سے فارغ، صفتِ جوہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے دُعاں لراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال ہے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشمِ مڑپرویں ہے اسی خال سے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا خرف ریزہ ورناب
 اس خال کے اُٹھے ہیں وہ عواصنِ سانی
 جن کے لیے ہر بحرِ پُراشوب کے پایاب
 جس سانے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں
 محسن کا وہی ساز ہے بیکانہ مضرب
 بُت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بزمین
 تفتدیر کو روتا ہے سماں تہِ محراب
 مشرق سے چوبیزا ز نہ مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرا

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فنِ کرب و جذبِ سرود
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
 اسی حلال ہے لبِ برہنہ و خیمہ وجود
 یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
 کہ مردِ حق جو گرفتِ حاضِر موجود
 غمیں نہ جو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

* ریاضِ سنزل (دولت کدہ سر اسٹوڈ) بھوپال میں لکھے گئے

۶۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۲۲

نگاہ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ دُڑے دُڑے میں ہے ذوق آشکارائی
کچھ اور ہی نطنس آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہ شوق اگر ہوشِ شریکِ بینائی
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فتنہ زند
ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارِ نمرائی
اسی نگاہ میں ہے متاہری جوتاری
اسی نگاہ میں ہے دبیری و عرنائی
اسی نگاہ سے ہر دُڑے کو جنوں میرا
رکھتا رہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلبِ نطنس کی رسوائی

اہلِ مہر سے

مہر و مہر و شتری چند نفس کا سرور
عشق سے ہے پائدار سیرِ خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پاک
تنگائے تیرے لیے سرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعور و سرور
روح الہی ہے تری رنج غلامی سے نزار
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجد
اور الہیہ ہے اپنی شرافت سے چو
تیری سپہ سالار جن کو ہے اسیر و محن و



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک
ساحل کی سوغات! خار و خس و خال
میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستان تیرا ہے نم نال
تیرا زمانہ، تاثیر تیری
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سسے ہیں تحت دیر کے چال
کابل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے مقصد تال
رکھتا ہے اب تک مسیح ناز شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اور اک

اہلِ نطنس ہیں یورپ سے نومید
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شل شرّ تیری نمود
کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
گزشتہ میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتب و مے کہ ہر جزو دریں ہوئے بندہ
بودن آموز کہ ہر ہشی و ہسم غمِ اہی بود

سرود

ایا کہ اس سے نالہ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبے

۶۲۶

ضربِ کلیم

۱۲۶

دل کیا ہے اس کی سستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحب دل کی نگاہ میں
 چھتی نہیں ہے سلطنت روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمز بختی سمجھ لے
 سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

نسیم و نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں سپرین لالہ و گل چال

مجبور ہوئی جساتی ہوں میں ترک وطن پر
بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طرب ناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محرم
خاکِ پسین اچھی کہ سر پر وہ افلاک !

شبِ بنم
کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے اک سر پر وہ افلاک

اہرام مصر

اس دشتِ جبرتاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگاہیں ہنسنا ل
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر !

فطرت کی غلامی سے کرازاؤ نہ ہو
صیاد ہیں مروان نہ ہر مسند کہ نچیرا

مخلوقاتِ پُنیہ

ہے یہ فردوس نظر اہل نہر کی تعمیر
فاش ہے چشم تماشا پہ نہاں حنائی
نہ خودی ہے نہ جہان سحر و شام کے دور
زندگانی کی حرین نہ کشاکش سے نجات
آہ، وہ کاف نہ بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصر رفتہ کے وہی ٹوٹے پوتے لات و منات
تو ہے میت، یہ نہر تیرے جنازے کا امام
نظر آتی جسے مرشد کے بہستاں میں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنا
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مروتلندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نطنسہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطنسہ کیا
مقصودِ ہنسہ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفسِ مثلِ شر کیا
جس سے دلِ دریا مُشتِ لاطم نہ ہو
اے قطنسہ نسیاں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۶۳۰

ضربِ کلیم

۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا
 بے محبہ دُنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیدی نہیں رکھتے اس وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبِ بنم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ بجستہ کہ گردوں سے زمیں دُور نہیں ہے

صبح

مانندِ صحنِ کستان میں قدم رکھ
اسے تیرپا کوہِ شمسِ سم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہِ وِسیا باں سے ہم اغوشِ لبیک
ہاتھوں سے ترے امنِ انداک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شہنشاہِ عراقین
اربابِ نطنس کا قرة العین
ہے پردہ شکافِ اس کا اوراک
پردے ہیں تمام چاک و رچاک
خاموش ہے عالمِ معانی
کہتے انہیں حرفِ لُن تہائی
پوچھ اس کے یہ خالِ اں ہے کیا چیز
ہنگامہ این اں ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات
اک بات میں کہہ لیا ہے سوا

خود بوبے چنیں جہاں تو اں بُد

کابل میں بسا ندو بوالبشر مُرد!

۹۳۲
ضربِ کلیم
۱۳۲

رومی

غلط نہ کر ہے تری چشم نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تُو ہے نعمتہ رومی سے بے نیاز اب تک!

جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اس لاک منور ہوں تھے نورِ حسرت سے
خورشیدِ کمرے کسبِ ضیاء تیرے شر سے
ظاہر تری تفتدیر ہو سیمائے فتر سے

دریا مُستِ لاطم ہوں تری موجِ کمر سے
شرمندہ ہو فطرتِ ترے اعجازِ مہنہ سے
اغیار کے افکار و تجسس کی کدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کا فساد
یہ زمین، یہ دشت، یہ کُھسار، یہ چرخِ کبود
کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
میرزا بیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ کرہ
اہلِ حُلمت پر بہت مشکل رہی بس کی نشو و
”دلِ اکرمیداشت و سعتِ بے نشانِ بواہرِ چین
زنا کے بیرونِ شست از بسکہ مینا تناب بود“

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۴

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حسیدِ ری کافی
ترے نصیبِ فناء طوں کی تیزی اور اک
مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ جو بلال تو حسن و جمال بے تاثیر
زنا نفس ہے الغرض نہ آتشِ ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ و آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و بے بال!

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام ہوئی مرکبِ تخیل
چندی بھی نہ رہی کامستد عجمی بھی!

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ
 کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ سنہ سیر کے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی

سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مُغنی کے ہم ویرے دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 ہے ابھی سینہ افلاک میں سپاس دہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایا زمی سے مست اہم محمود

۶۳۶
 ضربِ کلیم
 ۱۳۶

مہ و انجسم کا یہ تیرکہ باقی نہ رہے
 تو رہے اور ترا زمزم سے لا موجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقہر سان خودی
 منتظر ہے کہ منطرب کا ابھی تک وہ سرود

سرودِ حرام

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کرے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے تھنق ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نئے چنگ و رباب



فوارہ

یہ آبِ جنو کی روانی، یہ سبکداری خال
مری نگاہ میں ناخوش ہے یہ نطسارہ
ادھر نہ دیکھ، ادھر دیکھ اے جوان عزیز
بلند زور دروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیستیاں میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعرِ بے ترے سینے میں بس ہے کہ نہیں ہے
تا شیرِ سلامی سے خودی بس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں بسی
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سب ہو
ششیر کی مانند ہو سب ہی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جسم و
 چرطن نہ نسیا طور، نہ ہی برقِ تجلی
 اللہ کرے حسدِ شوق نہ ہو طے!

شعرِ محبوس

ہے شعرِ محبوس کہ چہ طرب ناکِ دل آویز
 اس شعر سے گھر ہوتی نہیں شیرِ خود می تیز
 افسر وہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ سخن خیز
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریز
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از چہرِ چہرِ بائیس نہ نمایند بہ پرہیز

ہنسور ان ہند

عشق و ہستی کا جن زلفے تختیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنسور ان برہمنوں کا بزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابید، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر صورت گرو افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوا



۶۴۰

ضرب کلیم

۱۴۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیق
پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں
ہے ملکہ اُس کی طبیعت کا تقاضا نسیق
انحس میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رنسیق
مثل خورشیدِ سحرِ فتنہ کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں وقیق
اُس کا اندازِ نثر اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرِ طریق



عالم نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دکھاتا ہے عالم نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دکھی ہوئی دنیا سیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خال
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

ایجادِ معانی

ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے چندان
کوشش سے کہاں مردِ ہنرمند ہے آزاد
خونِ رگِ سدا کی گرمی سے ہے تعمیر
میں ناجستِ افطہ ہو کہ تختِ انہرِ سدا

۶۴۲

ضربِ کلیم

۱۴۲

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہر تیشہ سے ہے خانہ نما

موسیقی

وہ نغمہ سرودی خونِ غزل سہرا کی دلیل
کہ جس فون کے تراپہ رتاباں نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفیس سے زہر آلود
وہ نئے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر امین مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی پس میں لریب ان لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی بے بند تھی اُس خوں گرفت چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دم سزیر

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تا بس نالکی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نعتِ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل!

قص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ خیریل و اہرن
قص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روحِ موسیقی سے ہے رقص اس کا بدن!

۶۲۲
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریق اہل دُنیا ہے کد شلوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
یہ شکستہ پیر وانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبطِ فغانِ شیریں فغانِ واپسی ویشی!

قص

چھوڑ پورے لیے رقصِ بن کے سنم پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیمِ اللہ!
جہدِ اس رقص کا ہے شنکی کام و دہن
جہدِ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



انچه از آن
 قدری که در کتب
 مذکور نیست
 اندیشه و نظر
 زاده و پدید
 ان که از آن
 سخن نظر
 فزان و غور
 اندیشه و نظر
 انچه از آن
 قدری که در کتب
 مذکور نیست
 اندیشه و نظر
 زاده و پدید
 ان که از آن
 سخن نظر
 فزان و غور
 اندیشه و نظر

۶۲۶
 ضرب کاظم
 ۱۲۶

سیاست

شرق و مغرب

۶۲۷
ضرب کلیم
۱۲۷

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رستار
اندیشہ ہوا شوخی افکار یہ مجبور
فرسودہ طے لقیوں سے زمانہ ہوا بے سزا
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرار
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، وہاں کو اب گوارا اپنے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش، لکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط حسنہ دار کی نمائش، مرز و بروج دار کی نمائش
جہانِ مغرب کے بت لدوں میں، کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں نریاں چھپاتی ہے، عیار کی نمائش

انتلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات
خودی کی موت ہے، یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہ، انتلاب ہے پیدا
قریب الٹی شاید زبانِ پیر کی موت!

خوشامد

میں کا جہاں سے نہیں آگاہ، لیکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کہ تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستورِ نیا، اور نئے دور کا آئینہ
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہباز

مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم نال
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تونے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرابی کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں فقط اُن کا جوہر اور ال!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تسلی
 تاریکے افزائشِ شینوں کے دھوئیں سے
 یہ وادیِ امین نہیں شایانِ تجلی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جوامرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مُثولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی حکما بھی
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں سیکانہ
’بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ‘
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن
تاویل مسائل کو بناتے ہیں ہسانہ



ملشویا پس

روشن قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خسیر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کس سر چلیپا کے واسطے مامور
وہی کہ حفظِ چلیپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ رُس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روزِ جو بکروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہر سنگام و سُر
جس قوم کی قسمتِ دیر میں امروز نہیں ہے!

مشرق

مری نوا سے کریب ان لالہ چاک ہوا
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ رُوحِ مشرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ وارورسن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلہ سرک سے ٹوٹنے
بنائے خاک کے اُس نے دو صد ہزار اہل میں!

۶۵۲
ضربِ کلیم
۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
ایلِ سب بادہ ہیں یا ایلِ سیاست ہیں نام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کاپے نور
سیکڑوں صدیوں سے خوں کر ہیں سلامی کے عوام
خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رستی باقی
پُختہ ہو جاتے ہیں جب خوں سے سلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے کسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عہد کی بنا پر کسیر

حرف اس قوم کا بے سوز، نسل زار و زبوں
ہو گیا نچستہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر

اہل مصر سے

خود ابوالہول نے نیکیت سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرار قدیم
فہمۃ جس سے بدل جاتی ہے تعتید ائمہ
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں عقل حکیم
ہر زمانے میں دلروں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمد ہے، کبھی چوب کلیم



ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۳۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مُردہ ویرنیہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
اے وائے آبروئے کلیسا کا آئینہ
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیر کلیسیا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



۶۵۷
ضربہ کلیم
۱۵۷

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈر مانہیں فرا
رُوح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تختِ ملات
اسلام کو حجاز و مین سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
اُنہو کو مرعزہ زارِ ختن سے نکال دو

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۶۵۸

ضربِ کلیم

۱۵۸

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سر کو چمن سے نکال دو!

جمعیۃ اقوام مشرق

پانی بھی مُسحّت نہ ہے ہوا بھی مُسحّت نہ
کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے مُلوکیّتِ افرنک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہر ان ہو کر عالمِ مشرق کا جُنیوا
شاید کُردِ ارض کی تعزیر بدل جائے



❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوِ

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو لو اور انہیں سُلطانی جاوِ
ہر چند کہ یہ شعبہ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکتیت پر ریزا

جمہوریت

اس راز کو الٹا * مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جُہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سُوریا

فرنگیوں کو عطا خاں سُوریا نے لیب
نبی عفت و عنہم خواری و کلم ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سُوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری!

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسوس ملٹا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھلج
 میرے سودا سے ملو کسیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجج؟
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیر چو بے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائشینوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کشی
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



کلمہ

معلوم کئے ہند کی تخت دیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لے کر و غمیر بدن بھی لے کر و غمیر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے
 یورپ کی عنلامی پہ رضا مند ہوا تو
 مجھ کو تو کلمہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں شمار نہیں زنِ شکر لباس نہیں
 جہاں آرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سبقت
 طرعتِ آبِ جد سے نہیں ہے بیزاری
 خسور و زیر یک و پر دم ہے بچہ پترِ بدوی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطن فرانِ سرنگی کا ہے یہی سنتوی
 وہ سر میں مدنیستے ہے ابھی عساری

لا دین ستیا

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیزا ہر من و دوں نہاد و مردہ سیر

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد
 فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
 متاعِ غم یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
 تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دامنِ ہندیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
 ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا
 یہ سپرِ کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
 بجلی کے چہرے انہوں سے منور کیے افکار
 جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل
 تدبیر سے کھلتا نہیں عیضِ قد و شوا
 ترکانِ جفا پیشہ کے پنچے سے نکل کر
 بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

نصیحت

اک لڑکھنڈی نے کہا اپنے پیسے سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے ہی سب کے بڑا مسلم
بڑے پہ الر فاشس کریں قاعدہ شیر
سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہت
کرتے نہیں محکم کو تنگوں کے لکھی رہ
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اچھے پیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ سیر
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک چھسیر!



ایک نحری قزاق اور سکند

سکند

جہد تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس فوجِ جوانِ مہرِی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں، شیموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم تیرا ق ہیں، تو سیدانی، میں دریائی!



جمعیتِ اقوم

بیچارہ کی کتنی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
تقدیر تو مُبسم نظر آتی ہے لیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ دُاشتہ پیرِ افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ فلسطین

رندانِ نیرائیس کا یحیٰ نہ سلامت
پُر ہے مے گلزنائے پریشہ حلب کا
ہے خائفِ فلسطین یہ یہودی کا الحق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خال سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنلبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تختِ ملکوئی و جند بہ ہائے بلند

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں منقطع الٰہ منسلفہ زوباہی
ہو اگر قوت منعمون کی درپردہ مُرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ ہلالِ احمر لاہور میں)

کہا مجباً بدترکی نے مجھ سے بعدِ نماز
طویل سجڑ ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
وہ سادہ مردِ محبِ اہد، وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چسپِ نر ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو ذنبِ سیام
انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
 تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رگِ جاں خبہ یہودی میں ہے
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
 خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ بے سہوری
نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
جہاں میں عالم ہے قلب و نطن سر کی رنجوری

نفسیاتِ حامی

(اصلاحات)

یہ ہے بے سہری صیاد کا پرہ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
رکھنے لگا مڑ جھاتے تھے پھولِ قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



۶۴۲
ضربِ کلیمہ
۱۴۲

محراب گل افغان نئے اسکے

۶۷۳
ضریب کلیم

۱۷۳

محراب گل افغان کے افکار



میرے کہتاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب وجد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
لالہ و گل سے تھی نہ سببِ بل سے پاک
تیرے حسنِ پیچ میں میری ہشت بے
خال تیری عنبریں آبِ ترا تا بے نال



۶۷۲

ضربِ کلیم

۱۷۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک وسم
 حفظ بدن کے لیے روح کو کروں ہلاک !
 اے مرے فقرِ غیور ! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چال !



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز نہ تُو
 خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے درپردہ آہِ تم فو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویکتا
 اتر لیا جو ترے دل میں لاشکرِ نیک لہ





تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 تری خودی میں اگر اُفتلاب ہو پیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہائے و ہُو رہے باقی
 طریقِ ساقی و رسمِ کدُو بدل جائے
 تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں واما ندۃ راہ

۶۷۶
 ضربِ کلیم
 ۱۷۶

کڑکا سکندر بحلی کی مانند
 تجھ کو خبر ہے اسے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، گہسار باقی
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
 محرمِ خودی سے جس دم چھو فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ





یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیش و فراوان میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو
 فطرت کے نوایس چغالب سے ہنرمند
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحب بر تو
 وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدن میں سے شبنم کی طس جھنوا



۶۷۸

ضرب کلیم

۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طوائف اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہر ہے یہ گمانہ

اُس قوم کو تجدد کا پینام مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدد
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزند کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان

او غافل فہستان!

۶۸۰

ضرب کلیم

۱۸۰

ٹھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہشتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شیرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغِ ان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے بیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اس سارے کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز ستار پلٹتا



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل ہو جس
پر شہباز بے ممکن نہیں پرواز جس
یوں بھی دست و پستان کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمن چھوٹا دل پہ کراں شل قفس
سفر آما وہ نہیں منتظر بانگ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جس
گرچہ مکتب کا جوان زندہ نطرت آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایہ ہے فرنگی سے نفس
پرویش دل کی اگر نطرت ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ نطرت انداز ہے جس

۶۸۲

ضرب کلیم

۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شبابِ سب کا ہے بے داغِ ضربِ بے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر
اگر چھو سلیح تو رعنِ نزالِ تازی
عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کنیستاں کے لیے بسچے ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطان
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزازی
نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
یہ بے گلاہ ہے سرمایہٴ کلداری





جس کے رتوں سے منور رہی سیری شب و شمس
 پھر بھی ہو سکتا ہے روشن چہ پرانغ خاموش
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
 بندہ حسد کے لیے شتر تقدیر ہے پوش
 نہیں ہنکا مگر یہ سپکا کے لائق وہ جواں
 جو ہوا مالہ مرغانِ حسن کے مدح و شمس
 مجھ کو ڈر ہے کہ طعنِ سنا نہ طبیعت تیری
 اور عیتِ سار ہیں یوں پے شکر پارہ فروش!



لا دینی و لا سینی، بس پیچ میں اُبھاتو
 واروئے ضعیفوں کا لا غالبِ الٰہو!

۶۸۲

ضربِ کلیم

۶۸۲

صہیاد معانی کو یورپ کے نو مہر
 و کشش ہے فضا بہین بے نام تمام اہو
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صہیاد ہے کافر کا، پھر ہے مہر کا
 یہ دیر لہن یعنی تختانہ زنا و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلا وادے
 ہے ان کی سازوں سے محراب شش ابرو



مجھ کو تو یہ ذہن سا نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سبب جینے کی تلافی
 ایسے پر حرم سیری مناجات سحر کیا
 ممکن نہیں نسلیق خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے کاش کر کیا



بے جراتِ ندانہ ہر عشق ہے دوباہی
 بازو ہے قوی جس کا، وہ عشق یدِ الہی
 جو سختی منزل کو سامانِ سخن سمجھے
 اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مروتِ مسیانی!
 کھسار کی خلوت ہے تسلیم خود کاہی
 دُنیا ہے روایاتی عقیقی ہے مناجاتی
 در باز و عالم را، این است شہنشاہی!

۶۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاہد
 مشکل نہیں اے سالک! یہ اعلم تیری
 فولاوساں رہتا ہے شمشیر کے لائق
 پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
 خود دار نہ ہو فتروں پہ قہر الہی
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمتِ امیری
 افزائشِ زخود بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیری تو نذیری!



قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی لیا ہے خدائی!

جو فست نہوا تلخی دوراں کا کلمہ مست
 اُس فست میں باقی ہے ابھی بُوئے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیتر
 جو مجبِ نہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 درِ سر کہ بے سوز تو دوستِ نتواں یافت
 اے بندۂ مومن تو لبائی تو لبائی
 خورشیدِ سارِ پرۂ شرق سے نکل کر
 پہنا مرے کُہسار کو ملبوسِ حنائی



آگ اس کی ٹھونک دیتی ہے برناوِ پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیبِ یقین
 ہوتا ہے کوہِ وِشت میں پیدائش بھی
 وہ مردِ جس کا فستِ خُزف کو لے نہ جیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسامہ حق نے ترمیمی
 یہ سیکلوں فضل سے کہتے ہیں آسماں
 ہمت پرورش تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں زمین!



یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انہیں نام وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کُسمار کی سلمانی
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زتاری

وہی سرم ہے وہی عہدِ بارِ لات و منا
حُثْ انصیب کرے تجھ کو ضربِ کاردی !



نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہ چلنے
نگاہ وہ ہے کہ محنتِ جہدِ مٹا نہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علوم تازہ کی کستریاں لٹا نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں
سنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کُلاہ نہیں !

۶۹۰

ضربِ کلیم

۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
 یابندہ صحرائی یا مروہستانی
 دنیا میں محاسب ہے تہذیب فہوں لہر کا
 ہے اس کی فستیری میں ساریہ سلطانی
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبل چمنستانی شہباز بیابانی
 اے شیخ بہت اچھی محنت کی فضا، لیکن
 بنتی ہے بیاباں میں ناروقی و سلمانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
 تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی



ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳
ارمغانِ حجاز

م ۱ = حضور حق
 م ۲ = حضور یگان
 م ۳ = حضورات

سرود م ۲۲
 ادریغ به آید در زیر زلف از خوشتر نازک تر
 نفس گم کرد ای آید خیر و با خیر ای
 (در خست بخت ای)

سرود م ۲۲
 خوشتر از این با این
 ای آید خیر و با خیر ای
 (در خست بخت ای)

سرود م ۲۳
 مجو از رخ کلام عارفانه
 رخ دلم سرست عانتخانه
 سرین لاله گویا لاله دین باغ
 بیفت نام چو چشم دانه دانه!

۴۹۲
 اصفان مجاز
 ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۱	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰/۹
۲	بڑے بھائی بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۷۱/۲۱
۳	تصویر و مصوّر	۷۵/۲۳
۴	عالم برزخ	۷۶/۲۵
۵	مسنزل شہنشاہ	۷۲۱/۲۹
۶	دوزخی کی سنا جات	۷۲۲/۳۰
۷	مسعود مرحوم	۷۲۳/۳۱
۸	آواز غیب	۷۲۶/۳۲

رُباعیات

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۳۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۳۸
- ۳ دگرگوں عالمِ شام و سحر کر ۷۳۰/۳۸
- ۴ عنبر ہی میں ہوں محسوسِ سری ۷۳۱/۳۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے نہریا ۷۳۱/۳۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۴۰
- ۷ کہن ہنسکار ہائے آرزو سرد ۷۳۲/۴۰
- ۸ حدیثِ بندہ موہنِ دل آویز ۷۳۳/۴۱
- ۹ تیسرے خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۴۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۴۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۴۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۴۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشعلِ موج ابھر کر ۷۳۵/۴۳

ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیما ب $\frac{۷۳۷}{۲۵}$
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام $\frac{۷۳۸}{۲۶}$
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور فستیر $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۴ کرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۵ ویراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں $\frac{۷۴۰}{۲۸}$
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۷ نکل کر حنہ نقا ہوں سے ادا کر رسم شبیری $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خیر $\frac{۷۴۲}{۵۰}$
- ۹ کھنڈا جب چپسن میں کتب خانہ کل $\frac{۷۴۳}{۵۱}$
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سند $\frac{۷۴۴}{۵۲}$
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ $\frac{۷۴۵}{۵۳}$
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے $\frac{۷۴۶}{۵۴}$

- ۱۳ نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا ۷۴۷/۵۵
- ۱۴ چہ کا زمانہ قمارِ حیات می بازی ۷۴۸/۵۶
- ۱۵ ضعیف سب کے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ ۷۴۹/۵۷
- ۱۶ حاجت نہیں اے خطہ کل شرح و بیاساں لی ۷۵۰/۵۸
- ۱۷ خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی ۷۵۱/۵۹
- ۱۸ آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور ۷۵۱/۵۹
- ۱۹ غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد ۷۵۲/۶۰



- ۱ سرالبر حیدری ۷۵۳/۶۱
- ۲ صدرِ اعظم حیدر آباد و کن کے نام حسین احمد ۷۵۴/۶۲
- ۳ حضرت انساں ۷۵۴/۶۲



اُردو نظمیں

۶۹۹
ایضاح مجاز

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱۔ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !
ساکنانِ عرشِ اعظم نہ تمناؤں ۵ خوں !

۲۔ ~~سنو پیپ~~ اس کے شربانی بیچ آمان ہے وہ لاکھانہ
جنے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون

۵۔ کونا کرے گا ہے اس کا آتش خود راں کو سرد

حکے بٹھا مولیٰ میرا ابلیس ۵ نندہ دروں
۳۔ چٹخے دکھلے یا رنگی کو ملکوت ۵ غریب

نے پہنچے توڑا صومچہ و دیرویکس ۵ فوں !

۴۔ چٹخے ناداروں سکھلے یا ستیا تقدیر کا

نے پہنچے نعم کو دیا کرنا یہ دل کا ۵ جوں !

۶۔ شخ چکا ہے ~~سکھ~~ حکما خیر یوں پار کا آسانا نے بلند
کونا کرے گا ہے اس کا کلک کن کو سزگوں ؟

انیس کی محلِ شوریٰ

۱۹۳۶ء

انیس

یہ عرصہ کا پُرانا کھیل، یہ دنیائے فُوں
ساکنانِ عشرِ اعظم کی تمشتاؤں کا خون!
اس کی بربادی پہ آج اما وہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہاں کاف و نون
میں نے دیکھا لایا فرنی کو ملوکیہ کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا
 میں نے مُنہ پر کم کو دیا ساری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
 جس کے ہنکاموں میں ہو ابیہ کس سوزوں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ یاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبز گوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابیسی نظام
 پُختہ تر اس سے ہوئے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان سر یوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
 ارزواؤں تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سعی پیسہ کی کراست ہے کہ آج
 صوفی و ملا ملولیت کے بستہ ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے موزوں ہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام!
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ الرباقی تو کیا
 کُن ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہ چھتے ہیں سران جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کہ شر
 ٹو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں بے باخبر!

پہلا شیر

ہوں مگر سیر سری جہاں مہنی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا ال پروہ ہو کیا اس سے خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان، غیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
چہرہ روشن، اندرون چنگیز سے تاریک ترا

تیسرا شیر

روحِ سلطانِ رہے باقی تو پھر کیا خطِ سراج
 ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
 وہ حکیم بے تہمتی، وہ سیح بے صلیب
 نیست پیغمبرِ یسین و بے نسل دار و کتاب
 کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سوز
 مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
 اس سے بڑھ کر اور کیا جو کا طبیعت کا فساد
 توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خمیوں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
 ال سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا
گاہِ بالہ چوں حسنِ نوبز گاہِ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا، کیا ہر پردہ کی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و سار
ابلیہ جنتِ تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
ایمان مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غنیمت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
 کرچہ ہیں یہ سیر مرید افزائے حسرت نام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ کز وہ زور مزوک کا برو
 قریب سوزے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
 زراغ و شستی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھا لئی آشفۃ ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کو نادانی ہے ہم سمجھے تھے اُمّ شبت غبار
 فتنہ و فتنہ والی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کو ہزار و غر زار و جوتاب

میر کے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہاں بگڑا ہو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو بٹو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں کے تماشا، غروبِ شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوامِ یورپ کا لو
کیا امانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایسا ہو
کار کاہِ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جامِ بوا

دستِ فطرت نے کیسا ہے جن لریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوتے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ لرو
 یہ پریشاں روزگارِ آشفتمنہ غمِ آشفتمنو
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
 جس کی خاکستریں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظالم وضو
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدِ کینتِ فتنہ فروا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری داری بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے بدھنیہ سارے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لپے لیکن یہ خوف
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 احوذ! اتین پیغمبر سے سو بار الحذر
 حافظ ناموس رسدِ مردِ آزما، مردِ ہنرین
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
 نے کوئی غفور و خاقان نے فقیرِ رہشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر اکودلی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ آہیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ نعمتیں

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرسیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدا یا عین ذات
اسنے والے سے سیح ناصری مقصود ہے
یا مجتد جس میں ہوں سرزند مریم کے اصفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے پڑے لات و منا؟

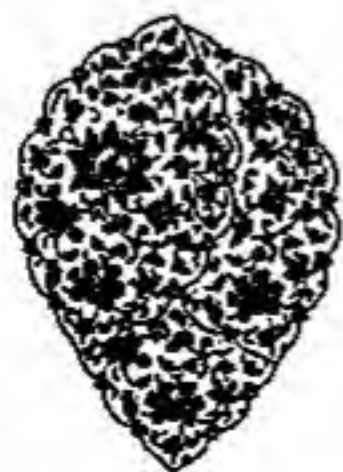
تم اسے بیکانہ رکھو عالم کو اسے
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تاسے پہ مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری میں
 ہے تحقیق جس کے دین کی احتساب کا ثبات
 مست رکھو ذکر و فکر صبحی کا ہی میں اسے
 پختہ تر کرو مزاج خانقاہی میں اسے



بندھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو سیرے سیاہاں کی ہوا تجھ کو لوارا
اس دشت سے بہتے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفتِ سیل و اسِ پل
وادی یہ ہمساری ہے وہ سرِ راہی ہمارا
غیر تھے بڑھی پسینہ جہانِ ملک و دویں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ نہ کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
انرا دے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر نہر ہے ملت کے معیتِ نذر کا ستارا
محمم رہا دوستِ دریائے وہ غوٹھیں
کرتا نہیں جو محبتِ ساحل سے کنار

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملے
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر سرکہ زور و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اٹھارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تفتیر اٹھم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا
 اصل عمل مانا نہیں گاہن لہن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



تصویر و مصوّر

تصویر

کہا تصویر نے تصویر کرے
نمائش ہے مری تیرے ہر
ہیکر کن کس قدر نامنصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو میری نطفے سے!

مصور

گراں ہے چشم سینا دیدہ ور پر
جہاں بینی سے لیا لہری شر پر
نظر درو غنم و سوز و تب و تاب
تو اے نادان، قناعت کر خیر پر

تصویر

خبر عمتل جسرو کی ناتوانی
نظر، دل کی حیا ست جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تمازتاز
سزاوار حدیث لن ترانی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالا ستیہ نر سے
نہ ہو نویں اپنے نقش کر سے
مرے دیدار کی ہے اسی ہی شرط
کہ تو نہ پاس نہ ہو اپنی نظر سے



عالم برنج

مُردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے کس امر و زکا فروا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ لہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مُردہ صمد! تجھے کیا نہیں سلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مُردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنسے میں گرفتار نہیں ہیں

ہر چند کہ نہوں مردہ صمد و لیکن
 ظلمت کدہ خاک کے بیزار نہیں ہیں
 ہو روح پھر اک بار سوار بدنِ نثار
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

صدائے غیب

نے نصیب مارو کثرتِ دم نے نصیبِ دام و دو
 ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگِ ابد
 بانسِ اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
 روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے ہٹا لے! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خال میری سوزناک
تیری میت کے مری تارکیاں تارکیاں
تیری میت کے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر محکوم کی میت کے سوا بار الحذر
اے سرفیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک!

صدائے غیب

گرچہ ہر ہے قیامت کے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی اسلوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانندِ حساب
زلزلے سے ادویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکست زندگانی کی کشود

زمین

آہ یہ مرکب دوام آہ یہ رزم حیات
خستم بھی ہو کی کبھی شکست کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف عامی تمام بندۂ لات مولات
خوار ہوا کس قدر آدم یزدان صفیات
قلب و نظر پر کراں ایسے جہاں کائنات

کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی لٹ؟



معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ بکوفہ بام کو
جس کی قربانی سے اس رطلو کیت ہیں فاش
شہنشاہ ہے برطانوی مندر میں ال مٹی کا بُت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشکِ آمیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ انگلیس! مارا خواجہ دیکر تراش



دوزخی کی مناجات

اس دیر کھن میں ہیں غرض مند چرباری
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے عنسیر ہوں کی وہی نالہ و سنریا
ہیں کرجہ طبعندی میں عمارات فلک بوس
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
تیشے کی کوئی کردش تفتدیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز جگر شنہ ہے فرہاد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے منکر نلوکانہ کی احباب
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ پر سوز
سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

مسعود مرعوم

یہ مہر و مہ، یہ ستارے یہ آسمان کلبو
کے خنجر ہے کہ یہ عالم عدم ہے یا کہ وجود
خیال حب اوہ و نزل فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سراپا حیل بے مقصود
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگار کمالات احمد و محمود
زوال علم و ہنس و سرمرکب ناکہاں اس کی
وہ کارواں کا مستعار کراں بہا مسعود
مجھے زلاتی ہے اہل جہاں کی بید روی
فغان مرغ سحر خواں کو جانتے ہیں سرو
نہ کہہ کہ صبر میں پنہاں ہے چارہ غم دوست
نہ کہہ کہ صبر معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَمَّا كَانَ عَاشِقٌ وَصَابِرٌ بَدَلَ سَنَدٍ اسْت
زَعَشَقَ تَابَ صَبُورِي مِزَارِ فَرْسَنَدٍ اسْت“
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھ کہ عسر لرزیا کیا ہے
کئے خبر کہ یہ نیز ناب و سیما کیا ہے
ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور
مگر یہ غیبِ صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
غبارِ راہ کو بخشتا کیا ہے وقحِ جمال
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
دلِ نطش بھی اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز
نہیں تو حضرتِ انساں کی انتہا کیا ہے
جہاں کی رُوحِ رواں ”لا الہ الا ھو“
سیح و میخ و چلیپا، یہ جہاں کیا ہے
قصاصِ خونِ تنہا کا مانگے کس سے
گستاخِ کار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
 طلسم ہا شکند اں دے لے کہ ماواریم
 خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
 کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
 خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
 ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا
 خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
 خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات
 نگاہ ایک تختی سے ہے اگر محروم
 دو صد ہزار تختی تلافیِ مافات
 مستام بندہ مومن کا ہے ورائے سپر
 زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
 حریم ذات ہے اس کا نشینِ بدی
 نہ تیرہ خالِ حسد ہے نہ جلوہ کاہِ صفات

خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جستند
طلسمِ سروِ سپر و ستارہ بشتند

آوازِ غیب

آتی رہے دمِ صبح صدا عرشین میں سے
لھویا کیا کس طرح ترا جوہرِ اورال!
کس طرح ہو اُنس ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلا چال
نوطِ باہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ حسن و خاشاک
مہر و مہ و آبِ سم نہیں کوم ترے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمی اس کا نہ اندیشہ ہے بال
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے شہِ سلطانِ و ملائی و پیری!



۱۲۱
 این شرح املای
 این کتاب تقدیم
 حاج میرزا
 محمد باقر
 به
 آیت الله العظمی
 آقا میرزا محمد
 باقر

47

ایمان صحابہ

۳۴

رُباعیت



مری شاخ اہل کا ہے شرکیا
ترمی تفتدیر کی مجھ کو خبر کیا
کل کل کی ہے محتاج کشوداج
نسیم صبح منہ پر نطس کر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
 کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے
 ہوا پیری سے شیطان لہندیش
 گستاخ تازہ تر لائے لہاں سے!



دلِ لکوں عالمِ شام و سحر کر
 جانِ خشک و تر زیر و زبر کر
 ہے تیری حسدائی داغ سے پاک
 مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر



عنیری میں ہوں محسوسِ اسیری
 کہ غیتِ منہ سے میری فہم تیری
 حذرِ اس قدر رویشی سے ہے جس نے
 سماں کو کھاد ہی سنزیری!



خرد کی تناسلِ وامانی سے نیرد
 تجلی کی منیراوانی سے نیرد
 گوارا ہے اسے نطفہٴ غمیر
 زندگی ناما سمانی سے نیرد!



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
 تہ محراب مسجد سویا کون
 ہذا مسجد کی دیواروں سے اتنی
 فرنگی بت کدے میں لھو کی کون؟



کہن ہنگامہ ٹائے آرزو
 کہ ہے مردِ سماں کا لہو
 بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک
 کہ ہے آج اشیش لہو



سید بن مومن دل آویز
 چکر پرچوں، نفسِ روشن نگہ تیز
 میسر ہو کسے دیدارِ اس کا
 کہ ہے وہ رونقِ محسنِ کلمِ اہیز



تمیزِ منار و گل سے آشکارا
 نسیمِ نسیم کی روشِ ضعیفی
 حفاظتِ پھول کی کس نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوںِ سریری



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
 کہ اصلِ زندگی ہے خودِ نمائی
 نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
 دلِ دریا سے فوہِ سر کی جُدا



ترے پیامیں طوفانِ کیوں نہیں ہے
 خودی سیرِ سماں کیوں نہیں ہے
 عبث ہے شکوہِ تفتِ دیرِ یزداں
 تو خود تفتِ دیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۲
 اصنافِ حجاز
 ۲۲



حُرد و دیکھے اُرد کی گتے سے
 جہاں رُوشن ہے نُورِ لا الہ سے
 فقط اُک لُرد شسِ شام و سحر ہے
 اُک دیکھیں سُرُغ مہر سے



کبھی دریا سے شل موج اب کر
 کبھی دریا کے سینے میں اُتر کر
 کبھی دریا کے گل سے لڑ کر
 مہمِ نام اپنی خودی کا فاش تر کر!

ہر اس کی جگہ سے
 ہزار کیلئے اور دل کی جگہ سے
 جہاں رہیں ہے تیری یاد میں
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے

ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے
 ہر لمحہ کیلئے ہر لمحہ کیلئے

۴۳۶
 افغان صحاف
 ۲۲

ملا زادہ ضلع لولاکشتری کا ضلع



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ سخنِ تیری فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ ہنگام نہ ہوں مجھ کو
دیں بندِ قہومن کے لیے موتے یا خواب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا ہمارے جگر سوز
ڈھیلے ہوں الرتار تو بیکار ہے مضراب

اے وادیِ لولاب!

ملا کی نط زورِ فراست سے چہ نالی
بے سوز ہے سحرِ نازِ صوفی کی مے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویشِ کج نایاب
اے وادیِ لولاب!



موت ہے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
مکرو فنِ خواب کی کاشِ سمجھتِ غلام
شرعِ ملوکانہ میں جدتِ احکام دیکھ
صُور کا غوغا حلالِ حشر کی لذتِ حرام
اے کہ غلامی سے ہے روحِ تری مُضحیٰ
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام



آج وہ کشمیر کے محکوم و مجبور و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
 سینہ اس لاکے اٹھتی ہے آہِ سونال
 مرد حق ہوتا ہے جب مروجہ سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں غمِ نسیم نہ دھچکانِ پیر
 آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر و مانغ
 ہے کہاں روزِ مسکافات اے خداوندِ کیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سوزن و تارِ زفو
 ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاشِ پاش
 حاکمیت کا بت سنیں دل و آئینہ



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیرت میں ہے صیاد و شاہیں ہے کہ دُراج
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے طلائع
 مشرق میں ہے فرائے قیامت کی نمودِ راج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہ بختِ بانگِ فراسیل کا محتاج



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
 مگر چنید کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود پسری و خود داری و طلبانگہ انا حق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 معلوم ہو سالک تو یہی اس کا پیراوست
 خود مرده و خود مرستہ و خود مرلہ مفاجات!



نکل کر حق انقا ہوں ادا کر رسم شبتیری
 کہ فتنہ خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دھیری
 تیرے دین اوسب سے آرہی ہے بے پاسبانی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پسیری

شیاطینِ ملولیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود بخود اپنے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنج پیری
 چہ بے پروا لذت مند از نو اسے بے حکاہن
 کہ برواں شور و ستی از یہ چشمانِ شمیری!



سجھالہو کی بوند اگر تواسے تو حسیہ
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ بند
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شامِ سحر کا نقشِ بند
 جس خال کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ ہو وہ خالِ ارجمند



کٹھن صاحب چمن میں کتب خانہ گل
 نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
 متانت شکن تھی ہوا سے بہاراں
 غزل خواں ہوا سپر اندرابی
 کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
 کہ اسرارِ جہاں کی ہوں میں بے حجابی
 سمجھتا ہے جو موت خوابِ خود
 نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
 نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
 نہیں زندگی سستی و نیم خوابی
 حیات است در آتش خود تپیدن
 خوش اس دم کہ این گشتہ باز یابی

گزشتہ شریل شرارے ہمیری
تواں کرد زیر منک استابی



آزاد کی رک سخت ہے مانند رک سنگ
محکوم کی رک نرم ہے مانند رک تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نمید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دل روشن، نفس گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نم ناک
محکوم ہے بیگانه اخلاص و مروت
چرچند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہ افلاس ہے، یہ خواجہ افلاک



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجدِ نہ
یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعطائے
کہ خود حرم ہے چہ پر ابرغ حرم کا پروا
طلسم بے خبری، کافری و دین اری
حدیثِ شیخ و برہمن فسون افسانہ
نصیبِ خطِ ہویا رب وہ بندہ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلہم
چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گھر میں اب ولر کے تمام یک دانہ





وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
منہجتم کی تقویمِ سرِدا ہے باطل
کرے آسماں سے پُرانے ستارے
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضرِ سوچتا ہے وُلر کے کنارے



۷۲۶
اصغانِ حجاز
۵۲



نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ اہستیاں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
خودی سے مرو خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبول حق ہیں فقط مردِ حسرت کی تجسیریں
حکیم سیری نواؤں کا راز لیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل حسرتوں کی تدبیریں



چه کافران قمار حیات می بازی
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی
و کرم بدرسد های سرم نمی بینم
دل حبسید و نگاه غزالی و رازی
بحکم مفتی اعظم که فطرت ازلیست
بدین صحوه حرام است کاشش بازی
همان فقیه ازل گفت خیره شاہیں ا
باسماں کروی بازی نه پروازی
منم که توبه نه کردم ز فتناش کوئی ما
ز بیم این که سلطان کنند عمارتی
بدست ناز سمرقند و نه بخارا ایست
و عجب جو فقیه اس بزرگ شیرازی



ضمیمہ مغرب کے تاجرانہ، ضمیمہ مشرق ہے اہلبانہ
وہاں دلوں کے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب
سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان نقاب
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنا
غلام قوموں کے علم و فلسفوں کی ہے یہی مر آشکا
زمین اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے کر دلوں سے لے کر انہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہو اسماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پر سورِ نغمہ خواں کا لہراں نہ تھا مجھ پہ شیانہ



حاجت نہیں اے خطہٴ گل شرحِ نبیاں کی
تصویرِ ہمسائے دلِ پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نامِ کفایتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پینامِ خدایان ہمسالہ
سرمایہ کی جواؤں میں ہے غریاں بدنِ اس کا
دیتا ہے ہنسِ جس کا امیسِ مژگوں ووشاہ
اُمید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ



۷۵۰
ارغوانِ مجاز
۵۸



خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
حرام آتی ہے اس کو محراب پر زرع پوشی



اں سحریم بلند اور اں سوزِ جگر اور
شمشیرِ پدر خواہی بازو سے پدر اور



غریب شہر ہوں میں بسن تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھی ہیں قیامتیں آباد
 مری نواے غم کو دے مستعار عزیز
 جہاں میں عام نہیں دولتِ دلِ ناشاد
 گدھے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرہاد
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگِ میخورد و لڑ است
 خبر بکیر کہ آوازِ تیشہ و جلا است“

۷۵۲

اصغان مجاز

۶۰

* صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگلستہ علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریہ جواہر میں ہے

سکر جیدی جہدر اسم جید آباد کن نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضو نظام کی طرف سے جو صاحب عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توضع موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا فرماں کہ شکوہ پرویز
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبت
میں تو اس بار امانت کو اٹھانا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بستان
غیرت فضا تر مگر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ میری خدائی کی زکات



حُ سین احمد

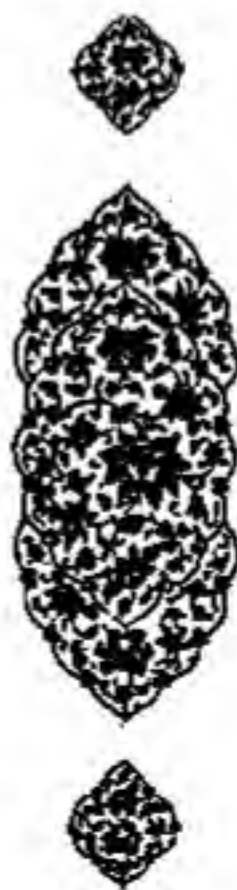
عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ
ز دیوبند حُ سین احمد! این چه بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمّدِ عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ دوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حضرت انس

جہاں میں دُشمنِ بندش کی ہے کس درجہ اُزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے متہم ہاتے پنہانی

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے من زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا لیا ہے ذوقِ عسائی
 یہی من زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خم نہیں
 کیا ہے حضرتِ یزداں نے ریواںِ مٹوانی
 فلک کے کیا خبر خیالِ کس کا شمس ہے
 غرضِ انجم سے ہے کس کے شبستان کی گہرائی

اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہنگامہ ہاتے تو بہ نو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶
ارغوان مجاز
۶۲